ساحلوں کی ہوا

اقراء صغیر احمد

ساحلوں کی ہوا............اقرا أصغر احمد

وہ خوشی سے گنگناتی ہوئی صحن سے ملحق برآمدے میں آئی تھی اور دوسرے لمحے خالی برآمدے کو دیکھ کر اس کے چہرے پر پھیلے قوس وقزح کے رنگ خزاؤں کے ویرانوں میں تبدیل ہو گئے تھے۔

''بھابی بیگم! خود پرستی وخود پسندی کے مظاہرے کب اسٹاپ ہوں گے؟'' اس نے سلگتے دل سے سوچا پیچھے اماں چلی آئی تھیں۔

''بت کیوں بن گئی ہو؟ جاؤ گی نہیں کیا؟''

''اماں! بھائی کہاں ہیں؟''

''وہ شہرین کو لے کر گیا ہے ڈاکٹر کے یہاں' چل تجھے رکشہ......''

''کچھ دیر قبل تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں یہ اچانک کیا ہوا ہے انہیں' ہارٹ اٹیک یا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے......''

''تیرے منہ میں خاک' نامراد! بلا سوچے سمجھے جو منہ میں آتا ہے بکتی چلی جاتی ہے۔'' فریدہ نے آنکھیں نکال کر لتاڑا۔

''بھابی کو پرابلم کیا ہے؟ کیوں جیلس ہوتی ہیں مجھ سے؟'' آنسو اس کی خوبصورت آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔ اس نے ضبط کی کوشش بھی نہ کی۔

''لو بھلا......وہ کیوں تجھ سے جلنے لگی' اسے تجھ سے کیا پریشانی ہوگی' چل میں جاننے والے کا رکشہ کروا دیتی ہوں' آرام سے بے خوف وخطر چلی جانا' واپسی میں توقیر آجائے گا لینے۔'' اماں نے پچکارا۔

''اماں! آپ کو اچھی طرح معلوم ہے مجھے رکشے سے چڑ ہے' عجیب واہیات سواری ہے، دور سے ہی لوگوں کو اپنی آمد کی خبر کر دیتا ہے۔'' وہ رومال سے چہرہ صاف کرتی بیزاری سے گویا ہوئی۔

''لڑکی! تیرے نخروں سے عاجز ہوں میں' اپنے باوا سے کہہ کر کار منگوالو اس میں تو تمہیں شرم نہ آئے گی۔'' فریدہ بری طرح چڑ گئیں۔

''اماں! اس دور میں کار کونسی بڑی بات ہے' آج کل تو ''بے کار'' بھی لیزنگ پر ''کار والے'' بنے پھر رہے ہیں۔ سب کو شعور آ گیا نہ آیا تو ہمارے گھر والوں کو جو آج بھی بائیک سے چمٹے ہوئے ہیں۔''

''ارے بس......بس' تالو سے لگا لے زبان کو جو کتر کتر چلنا جانتی ہے' مائرہ کے ہاں جا رہی ہے یا نہیں؟'' فریدہ نے حسب عادت اسے جھڑکا۔

''اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اماں! میرے جانے کا۔'' وہ غصے میں بھری اندر بڑھتی ہوئی بولی۔

''کیوں......؟ اب کونسا پہاڑ ٹوٹ گیا تجھ پر؟''

انہیں اس کی ضد اور ہٹ دھرمی ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔

''غم کا پہاڑ ٹوٹا ہے' یہ سب بھابی کی شرارت ہے' میں نے ان سے کہا تھا بھائی کو کہہ دیں مجھے مائرہ کے ہاں ڈراپ کر آئیں' اس کی انگیجمنٹ ہے۔ میں تیار ہو کر آئی تو وہ بھائی کو لے کر چلی گئیں تاکہ میں نہ جا سکوں۔'' وہ صحن کی ان سیڑھیوں پر بیٹھ گئی جن سے اندر راستہ جاتا تھا۔

''کتنی دفعہ کہا ہے اریج! بدگمانی مت پالا کر' بہو ایسی نہیں ہے۔''

''وہ ویسی بھی نہیں ہیں جیسی آپ سمجھتی ہیں۔''

''اچھا چپ رہ۔ بیماری کوئی کہہ کر تھوڑی آتی ہے۔''

"مگر بھابی کی تو مٹھی میں رہتی ہیں وقت اور ماحول کے حساب سے جس کو چاہا چٹکی بجائی اور بلا لیا۔" وہ شدید بدظن تھی۔

"اریج! بری بات ہے بیٹا' بھابی ہے وہ تمہاری کتنی دفعہ سمجھایا ہے اگر تم اپنی بھابی کے ساتھ برا سلوک کرو گی تو تمہاری بہنوں کے ساتھ بھی ان کے سسرال والے برابر تاؤ کریں گے۔" اماں نے ہزار بار کی دی گئی مثال پھر دہرائی تھی۔

"نہیں اماں! میری بہنیں تو سسرال والوں کی جتنی عزت و خدمت کرتی ہیں' بھابی تو اس کا پاسنگ بھی نہیں کر سکتیں' اس کے باوجود بھی جب ان کے سسرالیوں کے سر پر شیطان سوار ہوتا ہے وہ ان کو بے عزت کر کے نکال باہر کرتے ہیں' کبھی بچوں سمیت تو کبھی بچے چھین کر' مطالبے منوانے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی کی مالک ہیں...... بلکہ بھائی کو اپنی مرضی کے تابع کر رکھا ہے' ایسا بھلا ہوتا ہے کہیں پھر بھی آپ کو یہی فکر رہتی ہے اور آپ کی اسی ڈھیل اور نرمی کی وجہ سے وہ اتنی نڈر ہو گئی ہیں کہ مجھ سے مسلسل زیادتی کرنے لگی ہیں۔" آنسو پھر تواتر سے اس کے صبیح رخساروں سے پھسلنے لگے تھے۔ اس ہفتے میں بھابی نے یہ تیسری مرتبہ حرکت کی تھی۔

"دل مت جلا پگلی! چل میں خود چھوڑ کر آتی ہوں ٹیکسی میں لے چلوں گی۔" اماں کی مامتا جوش میں آئی۔

"میں نے کہہ دیا نہ اماں! اب نہیں جاؤں گی۔" ان کے بے حد اصرار پر وہ اسی ہٹ دھرمی سے گویا ہوئی۔

"لڑکیوں پر یہ ضد و ہٹ دھرمی اور نخرے اچھے نہیں لگتے۔ تمہیں سدا ہمارے ساتھ نہیں رہنا' پڑھائی ختم ہو چکی اب شادی کرنی ہے۔ سسرال جا کر یہ سب کرو گی تو چٹیا پکڑ کر نکال باہر کرے گا' سب سے پہلے تمہارا گھر والا ہی نکالے گا۔ بدلواپنے آپ کو۔"

"فکر نہ کریں' میں آپی اور بجیا کی طرح اللہ میاں کی گائے نہیں ہوں۔ پھر بھابی کی ٹریننگ بھی تو مل رہی ہے۔" وہ روتے روتے ہنس پڑی تو فریدہ بھی سر پر ہاتھ رکھ کر مسکرا کر بولیں۔

"کبھی سوچ سمجھ کر بولنا نہیں بے شرم' اپنی شادی کی بات کتنے مزے سے کر رہی ہے۔"

"اماں!" اس نے اٹھ کر ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔ "آپ میری دوست ہیں' دوست سے ہر بات شیئر کی جاتی ہے۔" وہ کھلکھلائی تھی۔

"جانتی ہوں سب' مسکے مت لگا' نہیں جا رہی تو کپڑے بدل۔"

"میں یہاں بیٹھ کر بھائی کا انتظار کروں گی' مجھے یقین ہے بھابی نے بھائی سے کہا ہی نہیں ہے ورنہ وہ ایسے نہیں ہیں۔"

"دونوں وقت مل رہے ہیں تم راستے میں بیٹھی ہو' پھر یہاں پودے بھی ہیں۔ بزرگ منع کرتے ہیں چلو اندر چلو اور یہ قصہ بھول جاؤ۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئی تھیں۔

○○○

گھر کے ماحول میں آج کل بے حد ٹینشن چل رہی تھی۔ ابا آج کل کچھ زیادہ ہی اپنے بڑے بھائی شفیق صاحب سے مل رہے تھے' ویسے تو طویل عرصے سے ان دونوں خاندانوں کے درمیان اختلافات کے باعث تعلقات استوار نہ تھے' ان گزرے برسوں کے دوران شفیق صاحب نے اپنی چاروں بیٹیوں کی شادیاں کر دی تھیں اور انہیں پوچھا تک نہ تھا۔ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے توفیق صاحب بھی دو بیٹوں اور دو بیٹیوں کے فرض سے ادا ہو گئے تھے اور ان سے جھوٹے منہ صلاح تک نہ لی تھی۔

دونوں بھائی بیویوں کے ذہن سے سوچتے' اور ان کی آنکھوں سے دیکھنے کے عادی تھے' اب ایک ماہ قبل شفیق صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا تو ان کی آنکھوں پر بندھی غفلت ولاپروائی کی پٹی از خود کھل گئی۔ ان کی طبیعت کی خرابی کا سن کر توفیق صاحب بھی بھاگے بھاگے چلے آئے تھے۔ طویل عرصے کے بعد ان کا یہ پہلا ملاپ تھا جو دو سازشی و حاسد کی غیر موجودگی و بے خبری میں ہوا اور اس ملاقات نے ذہنوں پر جمی گرد کو گھنٹوں میں صاف

کر دیا تھا۔ ان باتوں اور واقعات کی بھی تردید ہوگئی جو ایک دوسرے کے نام سے سنا کر بھڑکایا جاتا تھا۔

اب وہ اکثر اوقات ملنے لگے تھے' جس کی خبر گھر والوں کو بھی ہوگئی تھی۔ تب سے دونوں طرف انتشار پھیلا ہوا تھا' ابھی بھی وہ شفیق صاحب سے مل کر آرہے تھے۔ فریدہ بیگم کے بار بار پوچھنے پر بھی انہوں نے نہیں بتایا کہ وہ دونوں بھائی کیا پلان بنا رہے ہیں جو روز روز ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ وہ ایک کال کرتے اور توفیق فوراً چلے جاتے تھے۔

''ارے اتنے گھنے ہوگئے ہیں تیرے ابا ہزار بار پوچھنے پر بھی نہیں بتا رہے کہ دونوں بھائیوں کے درمیان کیا کھچڑی پک رہی ہے؟'' فریدہ جلے کٹے لہجے میں سارہ سے مخاطب ہوئیں جو آج ہی آئی تھی۔

''تمہارے پیٹ میں ہمیشہ مروڑ رہتی ہے' اس لیے تمہیں ہر جگہ کھچڑی پکتی دکھائی دیتی ہے' علاج کروالو اپنی آنکھوں کا اور پیٹ کا بھی۔'' انہوں نے اخبار آگے سے ہٹائے بغیر خشک انداز میں جواب دیا تھا۔

''بات کر رہے ہیں یا لٹھ مار رہے ہیں؟ ہوا کیا ہے تمہیں تنویر کے ابا! پہلے تو ایسے نہ تھے۔'' وہ ہکا بکا رہ گئی تھیں ان کے لہجے پر۔

''پہلے کاٹھ کا الو تھا میں' جس کو تم انگلیوں پر نچاتی رہیں۔''

''اور...... اب؟'' بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا۔

''عقل آگئی ہے مجھے اور اب تم سوچ سمجھ کر رہنا۔'' وہ اخبار ٹیبل پر رکھ کر فریدہ کی طرف دیکھتے ہوئے تنبیہی سخت لہجے میں گویا ہوئے۔ نہ معلوم ان کے انداز میں کیا تھا کہ فریدہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ گئی تھیں کارپٹ پر بیٹھی اپنے چھ ماہ کے بیٹے کے کپڑے بدلتی سارہ بھی چونک گئی تھی۔

''ابا! چائے لیجیے۔'' ایرج ٹرے میں مگ لیے کھڑی تھی۔

''جیتی رہو بیٹی!'' انہوں نے بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اپنا چائے کا مگ لے کر وہاں سے کمرے میں چلے گئے۔

''سارہ! دیکھا تم نے؟ تیرے ابا نے کس محبت سے ایرج کے سر پر ہاتھ پھیرا ہے جیسے...... جیسے ذبح کرنے سے پہلے قصائی بکری کے سر پر محبت سے شفقت کا ہاتھ پھیرتا ہے۔ مجھے تو گڑبڑ لگ رہی ہے۔'' وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر متفکر انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

''لو اماں کی بات سنو' خوامخواہ ابا کو قصائی بنا دیا اور مجھے بکری۔ اماں' ابا تو مجھے ایسے ہی پیار کرتے ہیں۔ آج کل تو کچھ زیادہ ہی خیال رکھنے لگے ہیں۔'' وہ مسکرا کر انہیں چائے دیتی ہوئی بولی۔

''اماں کی بات درست ہے ایرج! جب سے میں آئی ہوں دیکھ رہی ہوں' ابا بہت بدلے بدلے لگ رہے ہیں۔ تم سے قریب ہوگئے ہیں اور ہم سے دور۔ دیکھا ابھی چائے لے کر اپنے کمرے میں چلے گئے ہیں۔ اس سے قبل وہ اپنا وقت ہمارے ساتھ گزارنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔'' سارہ کے انداز میں بھی ماں کی طرح پریشانی تھی۔

سارہ اور اماں کو نیا موضوع مل چکا تھا' وہ سارہ کے بیٹے کو گود میں لیے باہر نکل رہی تھی جب اس کی سماعتوں میں اماں کی آواز آئی تھی۔

''شہرین کو آج میکے جانا ہے' کچھ دیر قبل اس کی امی نے فون کیا ہے' ابھی تک توقیر نہیں آیا' بہو کو دیر ہو رہی ہے' کئی بار فون کیا وہ بھی نہیں اٹھا رہا۔'' جواب میں سارہ نے کیا کہا اس نے نہیں سنا وہ پھرتی سے واپس پلٹی' بچہ اس عجلت میں اس کی گود میں ڈالا کہ گرتے گرتے بچا۔

''یا وحشت! یہ تم پر کیا آفت نازل ہوئی آناً فاناً!'' سارہ روتے ہوئے بچے کو سینے سے لگا کر بولی۔

''مجھے مائرہ کی طرف جانا ہے' وہ ناراض ہے مجھ سے' اس کی کال آئی تھی ابھی۔ اماں میں جاؤں؟'' وہ ایک سانس میں بولتی گئی۔

''جیسے میں منع کردوں گی تو تو رک جائے گی۔''

''ہاں اماں! آپ منع کر بھی نہیں سکتیں' میں جاتی ہی کہاں ہوں۔''

''تجھ سے تو بس زبان درازی کروالو۔''

''اماں! جانے دیں نا..... گھر سے کہاں نکلتی ہے یہ۔'' سارہ کی بدولت اسے اجازت مل گئی تھی۔ تمام سوٹس وہ پہلے ہی پریس کر کے ہینگ کر دیا کرتی تھی سو تیاری میں اسے دس منٹ سے زیادہ نہ لگے تھے' بال برش کرنے کے بعد فولڈ کر کے کیچر میں جکڑ دیئے تھے' اس کے تیکھے نقوش خوبصورت تھے' شفاف جلد میں گلابیاں گھلی ہوئی تھیں۔ اماں کی سختی کی وجہ سے کوئی میک اپ کا سامان اس کے پاس نہ تھا' سوائے ایک لائٹ پنک کلر کی لپ اسٹک کے جو ہونٹوں پر لگ کر محسوس نہ ہوتی تھی۔ وہ اکلوتی لپ اسٹک اس نے ہونٹوں پر پھیری کانوں میں پہلے ہی سونے کے نازک سے ٹاپس تھے جو ہر وقت موجود رہتے تھے' وہ پرس لے کر چادر اوڑھتی ہوئی کمرے سے نکل کر بڑے کمرے میں آئی تو اماں نے تنقیدی نگاہ سے دیکھا تھا جبکہ سارہ کی نگاہ میں بڑا پیار و فخر تھا۔

''ماشاءاللہ' مجھ سے اور صوفیہ باجی سے بھی آگے نکل گئی ہو۔ روپ و رنگ میں بھی اور قد و قامت میں بھی۔'' سارہ بلو سوٹ میں اس کے مہکتے وجود کو پیار سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''ہونہہ' لمبی اونٹ جیسی ہوگئی ہے عقل ٹخنوں سے آگے نہ بڑھ سکی۔ چل جا کر اپنے ابا کو کہہ وہ چھوڑ کر آئیں گے تجھے۔''

''میں ابا کے ساتھ نہیں جاؤں گی' رات میں انہیں دھندلا دکھائی دیتا ہے۔''

''پھر کس کے ساتھ جاؤ گی؟''

''بھائی کے ساتھ وہ آتے ہوں گے۔''

''مگر وہ شہرین کو لے کر جائے گا۔''

''اگر آج بھابی نہیں جائیں گی تو قیامت نہیں آئے گی۔''

''اگر قیامت کو آنا ہی ہے تو تیری زبان پر کیوں نہیں آ جاتی جو بے مصرف چلتی ہے۔ کچھ بھی کہہ لو' کچھ بھی سمجھا لو مگر اس لڑکی کی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔'' فریدہ جو پہلے ہی شوہر کی طرف سے پریشان تھیں ایسے میں اریج کی ضد نے انہیں سیخ پا کر دیا تھا۔

''آپی! اماں اسی طرح بات بے بات میری انسلٹ کرتی ہیں۔'' اریج۔ گلوگیر انداز میں سارہ سے مخاطب ہوئی۔

''اماں! آپ کے سمجھانے کا طریقہ غلط ہے۔ ایسی باتیں پیار محبت سے سمجھائی جاتی ہیں اور اریج' تم بھی بچپنا چھوڑ دو' عقل کو استعمال کرنا شروع کرو' آنکھیں کھول کر اپنے اردگرد دیکھو اور سیکھو کہ لوگ کس طرح رہ رہے ہیں۔ اس دور میں سچ بھی بہت محتاط طریقے سے بولا جاتا ہے۔''

''السلام علیکم! کیا باتیں ہو رہی ہیں؟'' اسی وقت توقیر نے اندر آتے ہوئے کہا۔ اریج منہ پھلائے ان کے قریب پہنچ گئی۔

''بھائی! مجھے مائرہ کے ہاں جانا ہے اماں منع کر رہی ہیں۔''

''میں منع نہیں کر رہی' کہہ رہی ہوں اپنے ابا کے ساتھ چلی جا۔'' فریدہ اسے گھورتے ہوئے بیٹے سے مخاطب ہوئیں۔

''ابا اس ٹائم کہاں جائیں گے۔ میں چھوڑ آتا ہوں۔''

''بہو کو میکے جانا ہے' وہ تیار بیٹھی ہے تم اس کو لے جاؤ۔''

''بھابی تو روز میکے جاتی ہیں خصوصاً ان دنوں ان کو امی کی یاد بہت آتی ہیں جب ہمارے ہاں آپی یا اپیا آتی ہیں تاکہ کام نہ.....''

''اریج..... اریج' زبان بند کر لے ورنہ.....'' فریدہ کا بس چلتا تو وہ اس کی زبان کاٹ ڈالتیں۔

''اماں! کیوں ڈانٹتی رہتی ہیں' رہنے دیں بچی ہے ابھی۔'' توقیر شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ان سے مخاطب ہوا۔

''بچی ہے ابھی۔ بچی ہے ابھی کہہ کر تم لوگوں نے اسے بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ کل کلاں سسرال جائے گی تو ناک کٹوائے گی ہماری۔ گھرداری کا

ذرا بھی شوق نہیں ہے بس فرفر زبان چلتی ہے۔'' اماں کو اس کی زبان سے ازلی بیر تھا وہ بھائی کے کاندھے پر سر رکھ کر رونے لگی۔ فریدہ کو مزید پتنگے لگ گئے وہ تلملا کر گویا ہوئیں۔

''ساری زندگی میں صرف یہی سیکھا ہے زبان چلانا اور آنسو بہانا۔''

''اماں! اب چھوڑیں بھی۔'' سارہ کو بہن پر ترس آیا تھا۔

''چلو منہ دھو کر جاکر' میں آ رہا ہوں کپڑے چینج کر کے کم آن ہری اپ۔'' توقیر اس کا سر تھپتھپا کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

''ہو گئیں خوش' بچے کو ذرا سکھ کا سانس نہ لینے دیا گھر میں گھستے ہی حکم صادر کر دیا ملکہ نے۔'' اماں بڑبڑائیں۔

''ایرج! منہ دھو کر آؤ۔ بھائی آ رہے ہوں گے۔'' اسے جواب دینے کے لیے منہ کھولتے دیکھ کر سارہ نے جلدی سے ٹوکا تھا۔ وہ رومال سے چہرہ صاف کرتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی' منہ دھو کر چہرہ صاف کیا سینڈل پہنتے وقت نگاہ پڑی تو معلوم ہوا ایک سینڈل کا کلپ غائب ہے۔ اس طرح وہ سینڈل بری لگ رہی تھی اس میچنگ میں دوسری سینڈل تھی بھی نہیں' اسے یاد آیا اس کلر کی سینڈل بھابی کے پاس ہے جس میں جڑے وہائٹ نگینے اس کی شرٹ میں لگی لیس کے نگوں سے میچ کرتے ہیں۔ وہ ان کے کمرے میں چلی آئی جہاں وہ پہلے سے پھولے ہوئے چہرے کو مزید پھلا کر بیٹھی ہوئی تھیں اور بگڑے تیور مطلع کر رہے تھے کہ چند لمحے قبل یہاں موسم خاصا گرم رہا ہے جس کی شدت وحدت بھابی کے رویے میں موجود تھی۔

''بھابی جان! آپ اپنی بلو والی سینڈل دیجیے گا جس میں وہائٹ نگینے جڑے ہیں' میری سینڈل ٹوٹ گئی ہے۔'' اس کے لہجے میں شیرینی تھی۔

''یہ تمہیں اچانک کیسے مائرہ کی یاد آ گئی' دوپہر تک تو تمہارا کوئی ارادہ نہ تھا۔'' وہ اس کی بات اگنور کر کے طنزیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''بھابی جان! یاد اور ''بیماری'' کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا' بن بلائے کبھی بھی آ سکتی ہیں۔'' اس نے بھی مسکراتے ہوئے طنز کا جواب طنز سے دیا۔

''مائرہ کے ہاں کوئی فنکشن ہے؟'' ان کا موڈ مزید بگڑ گیا تھا۔

''نہیں۔''

''پھر کوئی سی بھی سینڈل پہن جاؤ بھری پڑی ہیں تمہارے پاس۔ ضروری تھوڑی ہے فضول باتیں کرنے جاؤ بھی تو میچنگ ضروری ہے۔ وہ سینڈل میری جہیز کی ہے' ۱۵ سو میں خریدی تھی رابی سینٹر سے ٹوٹ گئی تو بیکار ہو جائے گی۔ کوئی فنکشن ہوتا تو دے دیتی۔''

وہ اپنے مخصوص دل جلانے والے انداز میں کہنے کے ساتھ ساتھ باتھ روم کی جانب بھی دیکھتی جا رہی تھیں جہاں سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ ایرج نے جواباً کچھ نہ کہا اور باہر نکل آئی اماں کو وہ بڑے آرام سے جواب دے دیا کرتی تھی اور ان کو بہت کم۔

''ہونہہ' آج کل کی بے غیرت لڑکیوں سے صرف لڑکوں کی باتیں کروا لو۔ شادی کا اتنا شوق ہے' ایسی باتوں کے لیے موقع کی تلاش میں رہتی ہیں جہاں موقع ملے اور سر جوڑ کر بیٹھیں' بے حیائی کی باتیں کرنے کے لیے۔'' بھابی کمرے سے نکل کر گیلری میں آ گئی تھیں اور ان کی اونچی بڑبڑاہٹ بخوبی اس کی سماعت تک پہنچ رہی تھی۔ اس کے خون کے اندر طوفان سا مچلنے لگا تھا۔ دل تو چاہ رہا تھا اس مڈل کلاس فیل عورت کی جاہلانہ طبیعت لمحے بھر میں درست کر دے مگر اماں کے خیال نے اسے باز رکھا۔

''ایرج! چلو بیٹا۔'' توقیر اس کے پیروں کے پاس سینڈل رکھتے ہوئے گویا ہوئے۔ ایرج نے دیکھا یہ وہی سینڈل تھی جسے دینے سے بھابی نے انکار کر دیا تھا۔ اس نے چہرہ اٹھا کر دیکھا' ان کی مسکراہٹ میں ایک شرمندگی' ایک اضمحلال سا تھا۔ بھابی کی جانب سے کی گئی ہر زیادتی پر ان کی طرف سے ایسا ہی ردعمل ہوتا تھا۔

''بھائی! یہ آپ کیوں لے آئے بہت قیمتی ہے یہ کسی فنکشن میں اچھی لگتی ہے میں تو......''

''کتنی بھی قیمتی کیوں نہ ہو' میری بہن سے زیادہ قیمتی نہیں ہو سکتی۔'' ان کے ازحد اصرار پر اسے وہ جبراً پہننی پڑی تھی مگر بھابی کی لغو بکواس نے

اسے بری طرح پژمردہ کر ڈالا تھا۔

لڑکے......اور لڑکوں کی باتیں!

شادی کا شوق اور شادی کی باتیں!

اس کے اندر بار بار کوئی انہی لفظوں کے کوڑے برسا رہا تھا۔ بھابی سے اسے پرخاش ضرور تھی مگر آج پہلی بار نفرت وغیریت محسوس ہوئی تھی۔ خنجر کے وار سے زیادہ زبان کے وار گھائل کرتے ہیں۔

اسی سال وہ بی ایس سی کے ایگزام دے کر فارغ ہوئی تھی۔ تعلیمی مراحل کے دوران اور نہ محلے میں ہی اس کا نام کسی لڑکے کے ساتھ آیا تھا کہ اس کی پرورش اماں جیسی سخت گیر و زمانہ شناس عورت نے کی تھی اور آزادی دیتے وقت اس کی حد بھی سمجھا دی تھی پھر بھائیوں، بہنوں اور ابا سے اتنی محبت ملی تھی کہ مزید کسی محبت کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی تھی۔

خوش نصیبی سے فرینڈز بھی ایسی ملی تھیں جو اعلیٰ اخلاق و شفاف ذہنوں کی مالک تھیں۔ ان کے درمیان کبھی بھی کسی لڑکے کا ذکر نہ آیا تھا۔ ان کی اپنی باتیں ہی اس قدر ہوتی تھیں کہ کسی اور کی گنجائش نہ تھی۔ مائرہ کے ہاں بھی وہ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی تھی۔

واپسی میں وہ بڑے آرام سے اندر داخل ہوئی تو سامنے بھابی بیٹھی چلغوزے چھیل کر کھا رہی تھیں۔ اریج پر قہر بھری نگاہ ڈال کر دوسری نگاہ انہوں نے اس کے پاؤں پر ڈالی۔ اس کے گلابی گلابی پاؤں بلو سینڈل میں جاذب نظر لگ رہے تھے۔ پھر نہ معلوم انہوں نے کس انداز میں اسے گھورا تھا کہ وہ اچانک پاؤں مڑ جانے کی وجہ سے لڑکھڑا کر گری تھی، سینڈل کا اوپر کا خول اس کے پاؤں میں رہ گیا اور نیچے کا سول دور جا گرا۔ ایک ساتھ دو چیخیں ابھری تھیں۔

اریج کی تکلیف سے چیخ نکلی تھی۔ بھابی کی اپنی ٹوٹی سینڈل دیکھ کر۔ توقیر جو اسے لانے کے بعد بائیک اسٹینڈ کر رہے تھے وہ بھاگ کر اندر آئے تھے اور برق رفتاری سے اسے اٹھایا تھا جو دہلیز پر پڑی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اماں اور سارہ گھبرا کر وہاں آئی تھیں۔

''کچھ نہیں، اریج کا پاؤں مڑ گیا ہے۔'' وہ اسے اٹھا کر اس کے کمرے میں لے آئے تھے۔ پیچھے پیچھے اماں اور سارہ آئیں تو مجبوراً بھابی کو بھی آنا پڑا اور اس شدید تکلیف میں بھی اس نے محسوس کیا بھابی صبر و برداشت کی آخری حدوں سے گزر رہی ہیں۔

''ضرورت کیا پڑ گئی تھی سینڈل پہننے کی، نہ معلوم کیا شوق ہے یہ پہاڑ پیروں میں پہننے کا۔'' اماں پریشانی سے اس کے قریب بیٹھ گئی تھیں۔ سارہ بھی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبائے فکرمندی سی بیٹھی تھی۔ بھائی نے سینڈل اتار کر اس انداز میں دور پھینکے گویا وہ سینڈل نہ ہوں کوئی زہریلے سانپ ہوں۔ بھابی منہ بنائے کھڑی تھیں اور یقیناً دل ہی دل میں اسے تمام گالیوں اور کوسنوں سے نواز رہی ہوں گی۔ پہلے بھی کئی بار انجانے میں وہ ان کی نیل پالش، پرفیوم اور چوڑیاں شہید کر چکی تھی۔ حالانکہ وہ سب اتفاقاً ہی ہوتا تھا۔ بھابی اس وقت سب کی نگاہ میں اچھی بننے کے لیے اسے کچھ نہ کہتی تھیں مگر تنہائی میں موقع ملتے ہی مبہم انداز میں وہ دل کی بھڑاس نکالا کرتی تھیں۔

''شکر ہے پاؤں صرف مڑا ہے دو تین دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔'' توقیر وکس لگانے کے بعد گرم پٹی باندھتے ہوئے طمانیت بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

''سوری بھابی! آپ کی سینڈل ٹوٹ......''

''دفع کرو سینڈل کو، شکر کرو سینڈل ٹوٹ گئی اور ہڈی بچ گئی۔ سینڈل ہزاروں مل جائیں گی۔'' توقیر نے اس کی بات قطع کر کے محبت بھرے لہجے میں کہا اور اتنی تکلیف میں نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ہنس پڑی تھی۔ بھابی کی شکل دیکھنے والی تھی۔

○○○

اس سے سرد جنگ کا آغاز بھابی نے خود ہی کیا تھا ورنہ وہ بڑی بھابی کی طرح ہی ان کی عزت کرتی تھی اور چاہتی تھی۔ سارہ اور صوفیہ کی شادی ہو چکی تھی توقیر کی شادی کے بعد تنویر بھائی نے بھابی اور بچوں کو مسقط بلوا لیا تھا کیونکہ فرم کی جانب سے انہیں وہاں رہائش مل چکی تھی وہ عمر کے فرق کے باوجود بڑی بھابی سے کافی فری تھی۔ وہ بہت اچھی عادات واخلاق کی مالک تھیں ۔کبھی بھی انہوں نے اس گھر کو سسرال نہ سمجھا تھا اپنے والدین وبہن بھائی کی طرح ان کا خیال رکھا تھا۔

توقیر کی شادی کے چند ہفتوں بعد وہ چلی گئی تھیں۔ وہ بہت دنوں تک انہیں یاد کر کے روتی رہی تھی۔ ان کی کمی محسوس کرتی رہی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کا ذہن ان سے دوری کا عادی ہوتا گیا تو اس کی توجہ از خود ہی شہرین بھابی کی جانب مبذول ہونے لگی اور بہت جلد اسے احساس ہوا بھابی تو اب اس گھر میں آئی ہیں۔ وہ کسی کو لفٹ دینے کی عادی تھیں نہ کسی کو اہمیت دینا جانتی تھیں۔ دوسروں میں نقص نکالنا اور بے جا تنقید کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا اور وہ جو ابا اور بھائی کی لاڈلی وچہیتی تھی اس کا لاڈ پیار انہیں ایک آنکھ نہ بھاتا۔

انہیں دنیا بھر کی خامی اس کی ذات میں نظر آنے لگی تھی۔ اصل شامت تو توقیر بھائی کی آئی تھی جو نہ بھابی کی پوری طرح طرفداری کر پاتے اور نہ گھر والوں سے قطع تعلق کر سکتے تھے۔ وہ دھیمے مزاج کے شفیق ومحبت کرنے والے انسان تھے۔ اریج سے انہیں دلی لگاؤ تھا۔ وہ اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس کی ہر فرمائش وخواہش پوری کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ بیوی کے تیور ومزاج سے آشنائی انہیں بھی بہت جلد ہو گئی تھی مگر شرافت وتحمل سے برداشت کر رہے تھے۔ کئی بار دبے لفظوں میں انہیں سمجھانے کی سعی کی مگر انہیں اپنی روش پر قائم دیکھ کر صبر کر گئے اور اریج کا پہلے سے زیادہ خیال رکھنے لگے جس سے بھابی نے چڑ کر اس کے خلاف سرد جنگ شروع کر دی تھی۔ وہ بھی پوری طرح مقابلہ کر رہی تھی۔ ان کی بحث میں انہیں جلانے کے لیے ہر وہ کام کرتی جس سے انہیں چڑ تھی۔

ابا اور تایا کی خفیہ مشاورت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اسی حساب سے اماں کی ٹینشن بڑھ رہی تھی اور اماں ابا کے تعلقات میں کشیدگی بھی۔ سارہ اور صوفیہ بھی اس ملاپ سے ناخوش تھیں۔ وہ آتیں اور ماں کے ساتھ کھسر پھسر کرتی رہتی تھیں۔

''اریج! شہرین اپنے ماموں کے بیٹے کا رشتہ لائی ہے تمہارے لیے۔ لڑکا دبئی میں کام کرتا ہے آجکل یہاں آیا ہوا ہے شادی کی غرض سے۔'' اماں نے بہت میٹھے لہجے میں نہ معلوم اسے اطلاع دی یا رائے لی تھی۔

''مجھ سے جان چھڑانے کا نیا اور خطرناک پلان۔'' اس کے دل نے سرگوشی کی۔

''کتنی اچھی ہے شہرین جو تمہاری بھلائی کا سوچتی ہے۔ ایک تم ہو جو اس سے بدگمان رہتی ہو۔ اگر وہ تم سے بغض رکھتی تو ایسے کماؤ' ہونہار لڑکے کا رشتہ نہ لاتی۔'' اماں نے پھر بھابی کی سائیڈ لی تھی۔

''بھابی کے ماموں کا بیٹا......؟ ہونہہ ان کے ماموں اور مامی اتنے کالے ہیں تو ان کی اولاد کتنی کالی ہوگی' سوچا ہے آپ نے؟''

''لو دماغ پھر گیا ہے لڑکی کا۔'' اماں ہنسی تھیں۔ ''ہمیں ان کی کالی رنگت سے کیا لینا' لڑکے کی کمائی اور کردار دیکھا جاتا ہے بیٹی۔ جب جیب میں مال ہوتا ہے تو کالی چمڑی بھی گوری ہو جاتی ہے۔ پھر اس دور میں ایسی کریمیں اور لوشنز چل گئے ہیں جو راتوں رات رنگ گورا کر دیتے ہیں' سنا ہے لڑکا خوبصورت ہے۔'' اماں نے اسے بہلانے کی کوشش کی۔

''مجھے نہیں کرنی شادی' وادی میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' وہ منہ بنا کر بڑبڑائی تھی۔

''اچھا......تم انکار کرو گی اور ہم مان جائیں گے؟ اس بھول میں مت رہنا۔ آج کل میں وہ لڑکا یہاں آنے والا ہے تمیز سے رہنا۔''

اماں اسے ڈانٹ ڈپٹ کر چلی گئیں اور وہ بھابی کی ہوشیاری پر پیچ وتاب کھانے لگی جنہوں نے ایک تیر سے کئی نشانے لگائے تھے۔

اول...... بہت آسانی سے وہ اس سے چھٹکارا پالیتیں۔ دوئم...... تاحیات اماں ابا اور بھائی کے آگے سربلند رہتیں۔ سوئم...... اس کی زندگی جہنم بنانے کی جو قسم انہوں نے کھائی تھی بہت سہل انداز میں وہ اپنے ماموں ممانی اور ان کے بیٹے کو سکھا کرا سے جیتے جی واصل جہنم کرتیں اور خود موج مناتیں۔

''دیکھتی ہوں کس طرح وہ ''ماموں زاد'' یہاں آ کر ٹھہرتا ہے۔ ایک گھنٹے میں ہی چھٹی کا دودھ یاد دلا کر بھاگنے پر مجبور نہ کر دوں تو اریج نام نہیں ہے۔'' اس نے غصے سے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا۔

ایک ہفتے بعد ہی اسے اپنی حسرتیں پوری کرنے کا موقع مل گیا۔

اس دن گھر پر کوئی نہ تھا۔ کال بیل پر اس نے گیٹ کھولا تو سامنے کھڑے سوٹڈ بوٹڈ دراز قد و وجیہہ صورت اجنبی بندے کو کھڑا دیکھ کر ایسی بوکھلائی کہ کچھ کہہ نہ سکی۔

''جی...... یہ توفیق انکل کا گھر ہے؟'' اسے خاموش دیکھ کر وہ شخص بھاری و پر وقار لہجے میں پوچھنے لگا اور وہ فوراً ہی الرٹ ہوگئی۔

''پڑھنا نہیں آتا آپ کو یا آپ کی نظریں کمزور ہیں؟'' اس شخص کی تمام وجاہت و وقار اس خیال نے محو کر دیا کہ وہ بھابی کا ماموں زاد تھا۔

''جی؟'' اجنبی نے چونک کر حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

''شاید آپ کو انگلش پڑھنی نہیں آتی تب ہی ابا کا نام آپ پلیٹ پر پڑھنے کی بجائے مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔'' اس کا انداز سو فیصدی توہین آمیز تھا۔ نتیجتاً اجنبی کے وجیہہ چہرے پر غصہ و درشتگی جھلکنے لگی تھی۔

''مس! پڑھنے کے باوجود کنفرمیشن ضروری ہوتی ہے اگر میں نام پڑھ کر انفارم کیے بنا اندر چلا آتا تو آپ کا کیا ری ایکشن ہوتا؟''

''ری ایکشن؟ پھر صرف ایکشن ہی ایکشن ہوتا میرا طبیعت صاف ہو جاتی اور نیت بھی۔''

''مائینڈ یور لینگویج۔ آپ کو مینرز نہیں ہیں کسی سے بات کرنے کے؟'' وہ اجنبی اس بار پوری طرح غصے میں آ چکا تھا۔

''میں بندہ دیکھ کر بات کرتی ہوں مسٹر! تم کیا سمجھتے ہو دبئی سے نمبر دو پیسہ کما کر یہاں آ کر ہم پر دھونس جماؤ گے؟''

''اوہ شٹ یو آر میڈ! ٹوٹلی میڈ!'' اس شخص کی آنکھوں سے شعلے سے نکلنے لگے تھے۔ سفید رنگت میں آگ دھک اٹھی تھی۔ وہ غصے سے سرخ چہرہ لیے وہاں سے چلا گیا۔ چند سیکنڈ بعد کار کے جانے کی آواز آئی تھی۔

''ہرا خس کم جہاں پاک۔'' اپنی کامیابی کی خوشی میں وہ جھومنے لگی تھی۔ اپنی بے پایاں مسرت کے جنون میں وہ اس اجنبی کے ہاتھ سے گرا وزیٹنگ کارڈ دیکھنا بھول گئی تھی جو ہوا سے اندر آ گرا تھا۔

''بیٹا! کوئی آیا تو نہیں تھا؟'' ابا جو ایک گھنٹے سے بے چین سے تھے اس سے مخاطب ہوئے جو ان کے لیے چائے لائی تھی۔

''نہیں...... تو ابا!'' ان کو کپ دیتے ہوئے لمحے بھر کو اس کے ہاتھ کانپے۔

''حیرت ہے وہ تو وقت کا بڑا پابند ہے۔ میں سمجھا مجھے دیر ہوگئی ہے۔'' ابا پریشانی سے بڑبڑائے۔

''کون وقت کا بڑا پابند ہے؟ کس کو آنا تھا؟'' اماں متجسس سی گویا ہوئیں۔

''شاید وہ آ کر بھی چلا گیا ہے عمر کی بات کر رہے ہیں آپ۔ یہ اس کا وزیٹنگ کارڈ مین گیٹ کے پاس پڑا تھا۔'' توقیر نے سنہری کلر کا کارڈ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا جو ابھی باہر سے آ رہا تھا۔

''ہاں...... ہاں بھئی! یہ کیسی نامناسب بات ہوئی ہے وہ آیا اور باہر سے ہی چلا گیا جبکہ میں نے خود اصرار سے بلایا تھا اسے۔'' ابا کارڈ دیکھتے ہوئے بے حد تاسف بھرے انداز میں گویا ہوئے۔

''کسی بہت اچھے دوست کا بیٹا ہوگا جو آپ کو اتنا دکھ ہو رہا ہے۔ دراصل بہو میکے گئی ہوئی ہے' میں مارکیٹ گئی تھی گھر میں اریج تنہا تھی یہ پڑ کر سوگئی ہوگی' یہ تو ویسے بھی مردوں سے شرط لگا کر سونے کی عادت ہے۔ وہ غریب گھنٹی بجا بجا کر یہ کارڈ ڈال کر چلا گیا تا کہ اس کی آمد کا ثبوت رہے۔''

اماں نے حسب عادت اسے جھاڑنے کا موقع ضائع نہ کیا مگر اس وقت وہ اماں کی بات کا برا نہ مان سکی تھی کہ اس کا ذہن تو ابا کی طرف الجھا ہوا تھا۔

''دوست کا نہیں بھائی شفیق کا بیٹا ہے عمر دراز' اکلوتا بیٹا' بھول گئیں؟''

''عمر دراز؟'' اماں کے انداز میں بدحواسی تھی۔ گھڑوں پانی ندامت کا اس پر بھی پڑ گیا۔ اپنا کہا گیا ایک ایک لفظ کانوں میں گونجنے لگا۔

''اس کا اس گھر میں کیا کام؟ وہ کیوں آیا یہاں؟'' اماں کسی نڈر لڑاکا سپہ سالار کی مانند ابا کے روبرو سوال کر رہی تھیں۔

''یہ گھر تمہارے باپ کا نہیں ہے میرا ہے اور میں جس کو چاہوں بلاؤں گا۔ تم میں دم ہے تو روک کر دکھاؤ؟'' اماں کے آگے بھیگی بلی بنے رہنے والے ابا ایک دم ہی شیر' بلکہ ببر شیر بن گئے تھے اور گھر میں جنگل سا ہی ہنگامہ رہنے لگا تھا۔

''دال میں کالا تو مجھے بہت پہلے سے دکھ رہا تھا۔''

''دال اور کھچڑی...... تمہاری اوقات یہی ہے بس۔''

''ابا......! اماں! کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو؟ ہم نے کبھی آپ کو ایک دوسرے سے تیز آواز میں بات کرتے نہ دیکھا اور اب......''

''اریج! اپنے کمرے میں جاؤ۔'' اسے خاموش اور گم صم دیکھ کر بھائی اس سے مخاطب ہوئے وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پر اوندھے منہ گر گئی تھی' کچھ دیر قبل وہ اپنے کارنامے پر جتنی مسرور اور مطمئن تھی کہ اس کی بدتمیزی دیکھ کر بھابی کا ماموں زاد پلٹ کر نہ آئے گا۔ اب حقیقت معلوم ہونے کے بعد کہ وہ بھابی کا ماموں زاد نہیں اس کا تایا زاد تھا اور پہلی دفعہ ابا کے بلانے پر آیا تھا اور اس نے کس شاندار طریقے سے اسکا استقبال کیا تھا۔

''درست کہتی ہیں اماں! میں صرف زبان چلانا جانتی ہوں' عقل استعمال کرنا نہیں' اگر اس وقت میں یہ سوچ لیتی کہ بھابی کی غیر موجودگی میں ان کا کزن کیوں آئے گا؟''

وہ سوچ سوچ کر شرمندگی کے ساگر میں ڈوبتی جا رہی تھی۔

○○○

عمر باپ کے سامنے مودب سر جھکائے بیٹھا تھا۔ قریب ہی صاعقہ بیگم بھی براجمان تھیں۔ ان کے چہرے پر گہرے تفکر و تجسس کے تاثرات تھے' وہ کن انکھیوں سے کبھی بیٹے کی طرف دیکھتیں جو ارد گرد سے بیگانہ بنا بیٹھا تھا کبھی اپنے شوہر نامدار شفیق صاحب کی طرف جو دنیا بھر کی سختی چہرے پر سجائے کچھ کہنے کے لیے لفظوں کے چناؤ میں مصروف تھے۔

''ارے کچھ بولیں گے بھی یا یوں ہی خاموشی کی سزا دیں گے؟ حد ہوگئی اتنی دیر خاموش بیٹھے بیٹھے دل گھبرا گیا۔ آپ کی خاموشی ہے کہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتی' ایسی منحوس خاموشی کسی طوفان کی آمد کا پیش خیمہ ہوتی ہے' میرا دل ہول رہا ہے کچھ کہیں تو سہی۔''

صاعقہ مزید اس سسپنس کو برداشت نہ کر سکیں اور ایک دم گویا ہوئیں۔

''میں نے عمر کی شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' شفیق صاحب کے لہجے میں سختی تھی' وہ ایک نگاہ عمر کے جھکے سر پر ڈالتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئے۔

''اوہ...... یہ تو اچھی بات ہے اور آپ ایسے سوچ رہے ہیں جیسے کشمیر کا فیصلہ آپ کو ہی کرنا ہے یا عراق میں امن و امان قائم کرنے کی ذمے داری آپ کے کاندھوں پر ڈال دی گئی ہو۔ یہ ہمارے اکلوتے لاڈلے بیٹے کی زندگی کا فیصلہ ہے جو خوشی خوشی کرنا ہے۔'' وہ چہک کر کہنے لگیں۔

''میں نے تو خوشی خوشی ہی فیصلہ کیا ہے اب دیکھنا یہ ہے تم کتنی خوشی کا اظہار کرتی ہو اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی کی خوشیوں کا۔'' شفیق صاحب کے طنزیہ لہجے میں ایسی کوئی بات ضرور تھی جس نے ان کی چھٹی حس کو بیدار کر دیا تھا۔

''یہ کیسے سیاسی لیڈروں کی طرح بات کرنے لگے ہیں آپ؟ بیٹے کی شادی کی خوشی ماں سے زیادہ کسی کو ہو سکتی؟''

''ہوں یہ کیسی بات ہے خوشی بھی ماں کو ہوتی ہے اور بہو سے زیادہ جھگڑتی بھی ماں ہی ہے یعنی زیادہ خوشی زیادہ لڑنا جھگڑنا ماں ہی کر سکتی ہے۔''

''کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ بہو گھر آئی بھی نہیں اور آپ نے جھگڑے بھی شروع کروا دیئے۔ لڑکی کہاں ہے؟ دیکھی ہے آپ نے؟ جو شادی کی بات کر رہے ہیں؟''

''عمر بیٹے! آپ بتاؤ گے یا میں بتاؤں لڑکی کے بارے میں؟'' وہ عمر کی جانب دیکھ کر مسکراتے لہجے میں گویا ہوئے۔

''میں کیا بتاؤں پاپا! آپ خود ہی بتائیں۔'' اس نے ایک نگاہ ان پر ڈال کر آہستگی سے کہا تھا۔

''ہیں! یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں باپ بیٹے کے درمیان کس لڑکی کی بات ہو رہی ہے؟ عمر! تم نے کس لڑکی کو دیکھا اور مجھے بتایا تک نہیں ہے۔'' وہ حواس باختہ سی عمر کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اسے پریشان مت کرو بے صبر عورت! لڑکی عمر نے نہیں میں نے پسند کی ہے عمر نے صرف میری خواہش کا احترام کیا ہے۔''

''کیسی خواہش؟ کیسا احترام؟ لڑکی کس کی ہے؟''

''توفیق کی بیٹی میرے بھائی کی بیٹی بہو بنے گی میری۔'' شفیق صاحب کے لہجے میں فخر و انبساط امڈ آیا تھا۔ توفیق کا نام سنتے ہی صاعقہ اس طرح اچھل کر صوفے سے کھڑی ہوئیں گویا یکلخت اس میں کانٹے نکل آئے ہوں۔ ماں کو اس طرح کھڑے ہوتے دیکھ کر عمر بھی کھڑا ہوا تھا۔

''کیا..... کیا..... کیا کہا آپ نے ..... توفیق کی بیٹی اریج؟''

''شکر تمہیں نام تو یاد ہے ہاں..... وہی اریج۔'' شفیق صاحب کے لہجے میں طمانیت تھی اور چہرے پر ان کو جلانے والا تبسم۔

''ارے یہ آپ نے کیا کر دیا؟ عمر تم نے بھی ماں کا خیال نہ کیا؟'' وہ کھڑے کھڑے واویلا کرنے لگیں۔

''جس عورت نے جادو سے دو حصوں میں ہمیں بانٹ دیا بھائی سے بھائی کو برسوں جدا رکھا غم و خوشی میں کوئی واسطہ نہ رکھا اس ماں کی بیٹی اس گھر میں آ کر کیا ظلم نہ ڈھائے گی۔'' وہ زور و شور سے رونے لگیں عمر پریشان سا ماں کی طرف بڑھا تھا۔

''عمر! جاؤ یہاں سے اس ڈرامے باز عورت کے ڈرامے پر یقین مت کرنا ایسی اداکاری سے یہ ساری زندگی مجھے الو بناتی آئی ہے۔''

''لیکن پاپا!'' وہ گومگوں کی کیفیت کا شکار ہوا۔

''جاؤ۔'' ان کا حکمیہ انداز دیکھ کر وہ چلا گیا۔

''شفیق صاحب! کیا ہو گیا ہے آپ کو یہ کوئی کھیل نہیں میرے اکلوتے بیٹے کی زندگی کا سوال ہے۔ گھر ایک بار بنتا ہے شادی روز روز نہیں ہوتی ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر ایسے فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔'' میاں کو چٹان کی طرح اٹل دیکھ کر وہ رسانیت سے گویا ہوئیں۔

''بہت سوچ سمجھ کر ہی میں نے اور توفیق نے فیصلہ کیا ہے۔'' ان کے انداز میں کوئی لچک و نرمی نہ تھی۔

''اچھا..... تو اس لیے دونوں بھائیوں کی روز روز ملاقاتیں ہو رہی تھیں۔ یہ سازش تیار ہو رہی تھی میرے خلاف..... مگر.....''

''میں کوئی بکواس سننا نہیں چاہتا۔ فریدہ سے تمہیں شکایات ہیں مگر یہ یاد کرو ہر زیادتی کی ابتدا تمہاری جانب سے ہوتی تھی۔''

''اوہ..... ہونہہ آپ نہیں اس جادوگرنی کا جادو بول رہا ہے۔''

''بہتر یہی ہوگا کہ ماضی کے قصے کو ماضی میں دفن رہنے دو۔ بچیوں کو فون کر کے کہہ دو کہ کل عمر کے سسرال چلنا ہے شادی کی تاریخ لینے دامادوں کو

بھی کہہ دینا۔''

اس وقت ان کے لہجے میں اس قدر سختی وقطعیت تھی کہ صاعقہ جیسی بحث ومباحثے کی شوقین ان کا منہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔

ایک کال پر ان کی چاروں بیٹیاں مع بچوں وشوہروں کے موجود تھیں اور ماں سے زیادہ بدحواس وپریشان تھیں۔ صاعقہ نے بیٹیوں کو دیکھتے ہی دل کی بھڑاس نکالنی شروع کردی تھی۔

''امی! یہ سب ممکن کیسے ہوا' اتنے برسوں تک ہم نے کبھی پاپا کے منہ سے توفیق چچا کا نام تک نہ سنا تھا آج اچانک اتنی بڑی خبر کہ ان کی بیٹی ہماری اکلوتی بھابی بننے والی ہیں' آخر یہ کایا پلٹ ہوئی کیسے؟'' سب میں چھوٹی زوبیہ نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

''یہ اچانک نہیں ہوا بیٹی! رفتہ رفتہ بڑی سازش سے ہوا ہے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے گویا تھیں۔ ''تمہارے پاپا ایک عرصے سے ان سے مل رہے ہیں اس دوران اس جادوگرنی نے خوب تعویذ گھول گھول کر پلائے ہوں گے۔ ان کاموں میں وہ شروع سے ماہر ہے۔ بنا دیا تمہارے باپ کو الو اب وہ ہمارے دشمن ہوگئے' ان کے گن گا رہے ہیں۔ اتنا بڑا فیصلہ کرکے ہمیں غیروں کی طرح اطلاع دی ہے۔'' صاعقہ بیگم کی آہ وبکا کو قرار نہ تھا۔

''امی! اس لڑکی نے گھر میں آنے سے پہلے ہی آپ کو اور ہمیں دودھ میں گری مکھیوں کی طرح نکلوا دیا ہے تو گھر میں آنے کے بعد کیا ہوگا؟''

''ثوبیہ باجی! پاپا تو پہلے ہی ان پر فدا ہوگئے ہیں' اگر بھائی بھی پاپا کے نقش قدم پر چل نکلے تو سوچو پھر کیا ہوگا؟''

''اریج بہت خوبصورت ہے' حسن کا جادو سرچڑھ کر بولتا ہے۔'' سومیہ کی اطلاع پر وہ چونک گئی تو زوبیہ نے استفسار کیا۔

''آپی! آپ نے کہاں دیکھا اسے؟''

''کچھ دن پہلے دیکھا تھا خاندان کی ایک تقریب میں۔ مجھے معلوم نہ تھا یہ توفیق چچا کی بیٹی ہے' پہلی نظر میں وہ مجھے عمر کے لیے پسند آئی تھی' پھر معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ ہمارے دشمنوں کی بیٹی ہے' اسی وقت میں نے اس کا خیال جھٹکا تھا مگر معلوم نہ تھا وہی عمر کے نصیب میں لکھی ہے۔''

''ارے میں کہتی ہوں ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا جا کر اپنے پاپا کا ذہن بدلنے کی کوشش تو کرو۔ ورنہ بڑا فساد ہوگا گھر میں۔''

ماں کی پشت پناہی پر وہ باپ سے شکایتی انداز میں گویا ہوئیں کہ انہوں نے یہ فیصلہ کرنے سے قبل ان سے اور دامادوں سے رائے نہ لی، اس بات پر ان کے گھروں میں بدمزگی پھیل سکتی ہے۔ وہ ایک مرتبہ پھر اپنے فیصلے پر نظرثانی کریں تو بہتر ہے۔

''میں نے صرف بات کی ہے کوئی بارات لے کر نہیں پہنچا ہوں۔ اس لیے آپ میں سے کسی کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے' اگر اس کے باوجود بھی کسی کو اعتراض ہے تو وہ شوق سے گھر بیٹھ جائے اور یہ توقع نہ رکھے کہ میں اپنا فیصلہ بدلوں گا یا اسے منانے آؤں گا۔'' شفیق صاحب نے از خود یہ بے لچک وٹھوس رویہ اپنایا تھا' حالانکہ بیٹیوں کو سخت انداز میں جواب دیتے ہوئے لمحہ بھر کو اپنا انداز برا لگا تھا مگر دوسرے لمحے انہیں خیال آیا کہ پہلے ہی مرحلے پر انہوں نے ڈھیل چھوڑ دی تو ٹوٹے رشتے استوار ہونے کے بجائے بالکل ناپید ہوجائیں گے اور ایک عرصے کی محرومی وجدائی پھر سے برداشت کرنے کی ہمت نہ تھی۔ پاپا سے ناکامی کے بعد وہ عمر کے پاس پہنچ گئیں۔

''میرے چاند سے بیٹے کی تقدیر کیسی مٹی میں ملا کے آگئے تمہارے پاپا۔'' صاعقہ نڈھال سے انداز میں ان کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

عمر جو پہلے ہی پاپا کے فیصلے سے ازحد ذہنی انتشار کا شکار تھا پھر ماں کی ناپسندیدگی وبے بسی کے خیال نے اس کی ٹینشن کو مزید بڑھا دیا تھا۔ وہ ذہنی ودماغی طور پر اس حد تک الجھ چکا تھا کہ وہ انہیں اپنے کمرے میں دیکھ کر ان کی پذیرائی کے لیے بھی نہ اٹھ سکا تھا۔

''بھائی! آپ کی شادی پاپا' چچا کی بیٹی اریج سے طے کر آئے ہیں۔'' زوبیہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''چچا؟ اونہہ' وہ اچھے انسان نہیں ہیں' اتنے عرصے تک پلٹ کر ہماری خبر نہ لی۔ اب بیٹی دینے کے لیے کس طرح پاپا کو گرویدہ کرلیا ہے۔'' ساریہ نے دنیا بھر کی نفرت لہجے میں سمو کر کہا۔

''امی ٹھیک تو کہتی ہیں چچی پکی جادوگرنی ہیں جو چاہتی ہیں وہ ہی ہوتا ہے' پہلے انہوں نے امی سے لڑ جھگڑ کر گھر سے نکالا تاکہ خود تنہا وہاں راج کریں اور کیا بھی...... اب بیٹی کو بھیج رہی ہیں تاکہ جو کسر رہ گئی ہے وہ پوری کر سکے۔'' سومیہ کا انداز سب سے الگ تھا۔

''جب تک تمہاری چچی بیاہ کرنہ آئی تھی تو سسرال میں بڑی قدر بڑی چاہت تھی میری پھر جس دن سے سسرال کی دہلیز پار کی' میرا سکون وچین لٹ گیا' عزت وچاہت خاک ہوگئی' ساس' سسر' حتیٰ کہ تمہارے پاپا تک اس کے گیت گاتے' حمایت لیتے تھے' محلے کے لوگوں کو بھی اس نے اسیر کرلیا تھا ہر کوئی اس کے نام کی مالا جپتا نظر آتا تھا۔ صاعقہ ماضی کے دھندلکوں میں گم ہونے لگی تھیں۔ صاعقہ فطرتاً بدلحاظ' کاہل وست مزاج تھیں' نت نئے فیشن کرنا اور گھومنا پھرنا ان کے پسندیدہ مشاغل تھے' گھرداری وتابعداری' خدمت گزاری سے وہ واقف نہ تھیں' سسرال آ کرانہوں نے ایک دن بھی اچھی بہو ہونے کا ثبوت نہ دیا تھا۔ ساس' سسر کی خدمت تو وہ کیا کرتیں بلکہ الٹا ساس کو ہی ان کا خیال رکھنا پڑتا تھا اور انہیں اس کا احساس بھی نہ تھا' فریدہ ان کے آنگن میں دلہن بن کر آئی تو انہیں سکھ وآرام کے دن دیکھنے کو ملے۔ خوب سیرت وخوبصورت فریدہ نے بہت جلد گھر والوں کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ وہ محنتی' سگھڑ' سلیقہ شعار وخوش اخلاق تھی گھریلو امور کے علاوہ سلائی' کڑھائی اور بھی بے شمار ہنر کی مالک تھیں۔ ان کی ہنرمندی صاف وشفاف گھر کے ہر کونے سے نمایاں ہوتی تھی۔ ساس وسسر کے لبوں پر ان کے لیے ہمہ وقت دعائیں رہتی تھیں۔

یہیں سے ان کے درمیان نفرت وبیگانگی کی دیوار بلند ہونا شروع ہوئی جو ہوتے ہوتے اتنی اونچی ہوگئی کہ تعلقات ٹوٹتے چلے گئے۔ ساس' سسر کے انتقال کے بعد بچوں کو بنیاد بنا کر ایسی ایسی من گھڑت باتیں دونوں بھائیوں کے کانوں میں بھری گئیں کہ وہ ایک دوسرے سے متنفر ہوگئے۔

شفیق صاحب نے بھی سلسلہ وہیں سے جوڑا تھا جہاں سے منقطع ہوا تھا۔ بچوں کی وجہ سے وہ علیحدہ ہوئے تھے بچوں کے کارن ہی ایک ہونے والے تھے۔ صاعقہ عمر کی بھاری آواز سے چونک کر ماضی سے پلٹی تھیں۔ عمر دونوں چھوٹی بہنوں زوبیہ اور ثوبیہ کو دائیں بائیں بازوؤں میں لیے سمجھا رہا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا' آپ تمام خدشات وخوف دل سے نکال دیں۔ یہاں ہمیشہ آپ کی مرضی چلی ہے اور آئندہ بھی وہی ہوگا جو آپ چاہیں گی۔'' عمر نے مضبوط لہجے میں بہنوں کے ساتھ ماں کو بھی تسلی دی۔

''بھیا! آپ منع کیوں نہیں کردیتے پاپا کو؟ یہ زندگی آپ کی ہے اور آپ اسے اپنی مرضی سے گزارنے کا پورا پورا حق رکھتے ہیں آپ منع کردیں۔'' زوبیہ لاڈ بھرے لہجے میں گویا تھی۔

''نہیں کرسکتا' یہی مجبوری ہے پاپا اس معاملے میں اس قدر ایموشنل ہیں کہ ان کی بات نہ مانی تو...... میں ان کی ہیلتھ کی طرف سے کوئی رسک نہیں لے سکتا' وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں۔''

''اگر تم اس رشتے پر دل سے راضی نہیں ہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا' تم خود کو قربانی کا بکرا تصور کرو اور ساری عمر نہ خود خوش رہو اور نہ آنے والی کو رہنے دو۔'' شفیق صاحب ان کی باتیں سن کر اندر آتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

''اپنی ماں کی طرح تم بھی نہیں چاہتے کہ یہ ٹوٹے رشتے دوبارہ ایک ہوجائیں تو میں مجبور نہیں کروں گا' کیونکہ شادی عمر بھر کے ساتھ کا نام ہے جہاں پر خلوص محبت واپنائیت کی فراوانی ہو تو گھر جنت بن جاتے ہیں۔ مجبوری وزبردستی سے رفاقتیں بوجھ بن جاتی ہیں۔''

''اوہ...... سوری پاپا! میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا میں......'' انہیں دیکھ کر بری طرح جھینپ گیا تھا جبکہ وہ گھبرا گئی تھیں۔

''فکر مندمت ہو مروں گا نہیں میں تمہارے انکار سے۔'' وہ بدستور خفگی بھرے انداز میں کہہ رہے تھے عمر تڑپ کر ان کی طرف بڑھا۔

''پاپا! میں نے تو ایسا نہیں چاہا ہے پلیز آپ کی خوشی سے بڑھ کر میری اور کیا خوشی ہوسکتی ہے۔ آپ کی خواہش پر میری ہر خواہش قربان ہے۔

مجھ سے آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر تابعداری سے گویا ہوا۔

○○○

خلاف معمول وہ آج دن چڑھے تک سوتی رہی تھی اور اماں نے نہیں اٹھایا تھا اور نہ ہی بھابی نے سامان گرا گرا کر اس کی نیند خراب کرنے کی کوشش کی تھی، سارہ اور صوفیہ نے بھی بیدار کرنے کی جسارت نہ کر کے اسے حیران کر ڈالا تھا۔ وہ بال سمیٹتی اٹیچڈ باتھ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''تم اٹھ گئیں حیرت ہے؟ میرا تو خیال تھا، صور پھونکے جانے سے ہی بیدار ہو گی۔'' اس کو دیکھ کر صوفیہ باجی مسکراتی ہوئی گویا ہوئیں۔

''دولہا بھائی کی حسین رفاقت نے بھی آپ پر کوئی اثر نہیں ڈالا اب بھی ایسی خوفناک باتیں کر رہی ہیں۔'' وہ ان کے برابر میں بیٹھتی ہوئی مسکرا کر گویا ہوئی۔

''اریج! خالی چائے پینے مت بیٹھ جانا، میں تمہارے لیے انڈہ ہاف فرائی کر کے لا رہی ہوں۔'' بھابی کے پیار بھرے انداز پر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ کر کانوں سے جا لگی تھیں۔

''یا اللہ! یا آج سورج غلط سمت سے نکل گیا یا بھابی کی یادداشت چلی گئی ہے؟'' مارے تعجب کے وہ تیز آواز میں کہہ اٹھی تھی۔

''جو دل چاہے کہو، میں برا نہیں مانوں گی کہ آج بے حد خوش ہوں۔'' بھابی کی سماعتیں ہمیشہ کی طرح اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی تھیں۔

''خوشی میں آپ اتنی اچھی ہو جاتی ہیں تو میری دعا ہے آپ کی یہ خوشی کبھی ختم نہ ہو۔'' اریج ہنس کر بولی۔

''بے فکر رہو میری یہ خوشی کبھی ختم ہو گی بھی نہیں۔'' بھابی کے معنی خیز انداز میں عجیب طنز تھا وہ شانے اچکا کر صوفیہ سے مخاطب ہوئی۔

''بجیا! آپ کیا وزیر پیداوار لگ گئی ہیں؟ ملک کی تیزی سے بڑھتی آبادی پر آپ کو ترس نہیں آتا...... یا آپ نے کوئی منت مانی ہوئی ہے ہر سال آبادی میں اضافہ کرنے کی۔ ہمارے ملک کو صنعتی، زرعی ترقیاتی پیداوار کی ضرورت ہے مگر آپ کے یہاں والی پیداوار نے بے چارے منصوبہ بندی والوں کے سارے پروگرام مٹی میں ملا دیئے ہیں۔ رحم کیجیے۔'' وہ ان کی طرف دیکھتی ہوئی شرارت سے بولی تو وہ جھینپتی ہوئی اپنے گرد چادر درست کرتے ہوئے بولیں۔

''یہ تو اللہ کی دین ہے اس نعمت پر بندے کا اختیار نہیں ہوتا ہے جو پیدا کرتا ہے، وہ پالتا بھی ہے۔ باقی سب جہالت کی باتیں ہیں اور بنو! تم سے میں اگلے سال پوچھوں گی کہ تم کس طرح اس پیداوار پر قابو پاؤ گی؟'' وہ چائے کا کپ اٹھا کر معنی خیز لہجے میں بولیں۔

''میرے خیال میں شادی کے دو سال تک تو انجوائے کرنا چاہیے۔ پھر تو مرتے دم تک عورت بچے پالتی ہے، پہلے اپنے پھر بچوں کے بچے۔''

''یہ آج آپ کیسی گفتگو کر رہی ہیں؟'' اسے عجیب سا احساس ہوا۔

''وقت آ گیا ہے، بہت جلد سمجھ جائیں گی، فی الحال تو گھر چھوڑنے اور سسرال جانے کی تیاری کرو۔'' بھابی کھلکھلاتی ہوئی ناشتہ لے آئی تھیں۔ ٹرے میں انڈے اور سلائس کے علاوہ کباب پراٹھے بھی تھے۔

''وہاٹ؟'' وہ سن بیٹھی رہ گئی، بھابی کی عنایتیں بے جا نہ تھیں۔

''ناشتہ کرو، ٹھنڈا ہو جائے گا۔'' سارہ نے کباب اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے پیار سے کہا اسی دم اماں کی غصے سے بھری آواز آئی۔

''چار بہنوں کا اکلوتا بھائی، چیونٹیوں بھرا کباب، کباب میں ہڈی تو سنی تھی مگر چیونٹیوں کے تصور نے طبیعت مکدر کر دی۔ اس نے کباب اس انداز میں رکھا گویا سچ مچ چیونٹیاں وجود پر موجود ہوں۔

''اماں جان! خوشی خوشی کام کریں، میں عمر سے ملا ہوں، وہ اچھا اور نیک لڑکا ہے، صورت و سیرت، اخلاق و کردار بہت اچھے ہیں اور سچ بات تو یہ ہے وہ مالی لحاظ سے ہم سے بہت بہتر ہیں۔ اریج بہت خوش رہے گی وہاں۔'' یہ آواز تو قیر بھائی کی تھی وہ برابر والے کمرے میں بیٹھے انہیں سمجھا

رہے تھے، درمیان میں گرے پردے سے صاف آواز یہاں پہنچ رہی تھی۔ عمر کے نام پر اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہونے لگے۔ صوفیہ اور سارہ کے اصرار کے باوجود اپنے فیورٹ ناشتے کا ایک لقمہ نہ لے سکی تھی۔

''لڑکا کتنا نیک سہی، ہے تو اسی چلتر باز ماں کا بیٹا' کرے گا تو وہی جو ماں کہے گی' وہ عورت میری پھول سی بچی سے بے گنے بدلے لے گی۔''

''ایسی بات نہیں ہے تائی سدھر گئی ہیں۔''

''ارے کبھی رسی کے بل بھی ختم ہوئے ہیں۔ کتے کی دم بھی کبھی سیدھی ہوئی ہے؟ صاعقہ بھابی کتے کی دم سے زیادہ ٹیڑھی ہیں وہ سدھر جائیں کبھی ممکن نہیں ہے' ہائے میری پھول سی بچی کا کیا ہوگا؟'' اماں بولتے ہوئے اس طرف چلی آئی تھیں جہاں اریج گم صم سی بیٹھی تھی اور ان پر نگاہ پڑتے ہی اس کے آنسو بے آواز گرنے لگے تھے۔

''صوفیہ! اپنے میاں کو فون کرو اور بہنوئی کو بھی' دونوں کو رات کے کھانے پر بلاؤ اور کہہ دینا ان سے اریج کی شادی کے لیے مشورہ کرنا ہے ورنہ کل تو یہی جوتا سر پر پڑے گا کہ اتنے اہم موقع پر ان سے رائے بھی نہ لی گئی' یہاں تو تمہارے باپ نے ایک دن بھی نہیں دیا' سمجھ میں نہیں آتا کس کو بلائیں' کس کو چھوڑیں' رشتے دار ہماری مجبوری کیا سمجھیں گے۔ فون پر بلاوے دے کر بھی ہزاروں گلے شکوے ہی سننے ہیں۔'' وہ دانستہ اریج سے نگاہیں چرا کر مصروف سے انداز میں گویا ہوئیں۔

''اماں! گھر ہم سنبھال لیں گے' آپ بھابی کو لے کر بلاوے دینے چلی جائیں اور اس سادہ سی تقریب میں دامادوں کا کیا کام؟'' سارہ نے کہا۔

''لگتا ہے باپ کی طرح تمہاری عقل بھی گھاس چرنے گئی ہے۔ ہر کام میں دامادوں کو سر آنکھوں پر بٹھایا ہے' ہر کام میں ان سے مشورے لیے ہیں جبھی آج ان کی نظروں میں ہماری عزت ہے ورنہ...... یہ جو داماد ہوتے ہیں بڑی بدلحاظ مخلوق ہیں۔ ذرا بھی ان کے معاملے میں کمی بیشی رہ جائے' سارے ادب وآداب بھلا کر طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیتے ہیں۔ خصوصاً سالے وسالی کی شادیوں میں ان کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملتا ہے مگر میں ایسا کوئی موقع دینا نہیں چاہتی۔''

مایوں کے پیلے غرارہ سوٹ میں اس کا نوخیز حسن سوگوار سا دلکش لگ رہا تھا۔ مسلسل گریہ وزاری سے آنکھیں اور چہرہ سرخ ہو رہے تھے حسب روایت سات دن قبل اسے مایوں بٹھایا گیا تھا۔ گھر میں مہمان ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ جس انداز میں اور جن لوگوں سے وہ وابستہ کی جارہی تھی ان احساسات نے اس کی ساری شوخی ومسرتوں کو نگل لیا تھا۔ بچپن سے اب تک اماں کی تائی اور ان کی بیٹیوں کے بارے میں اتنا کچھ سنتی آئی تھی کہ اسے یقین تھا وہ ان کے لیے قابل قبول نہ ہوگی' اگر عمر سے ملاقات اس بدتمیزی وسراسر جاہلانہ انداز میں نہ ہوئی ہوتی تو وہ اس کے حوالے سے کسی خوش آئند خیال یا توقع کی امید رکھ سکتی تھی مگر وہاں بھی اس نے بھابی کو نیچا دکھانے کے چکر میں اپنے پیر پر نہیں مستقبل پر کلہاڑی ماری تھی۔

''اپیا! مجھے نہیں کھانی یہ مرغن غذائیں' میں دال چاول کھاؤں گی۔'' وہ چکن اور مٹن سے تیار کی گئی ڈشز کو دیکھ کر منہ بنا کر کہنے لگی۔

''کھاؤ اور جان بناؤ' تائی جان کی ہائٹ دیکھی ہے تم نے؟ کیا ہائٹ ہے ان کی؟ ان سے مقابلے کے لیے تیار کر رہے ہیں تم کو۔'' صوفیہ بجیا اپنے تھل تھل جسم کے ساتھ قہقہے لگانے لگیں تو وہ بے دلی سے مسکرا دی تھی۔

''مایوں' ابٹن ومہندی کی رسموں کے دوران تائی اور ان کی بیٹیوں کے سرد وروکھے پھیکے رویے اس نے جھکے سر کے باوجود محسوس کر لیے تھے اور آگے کی راہ کتنی پرخار وکٹھن ہوگی' اس کا ادراک اسے متوحش کر گیا تھا۔ عمر کے حوالے سے کوئی خوبصورت تصور ابھرنے سے قبل ہی وہ ملاقات یاد آجاتی اور وہ سوچتی اس کی انسلٹ کر کے وہ نہ بھول سکی تو وہ اپنی انسلٹ کس طرح بھول سکتا ہے؟ شاید بدلہ لینے کے لیے ہامی بھری ہو۔

ان ہی خوف واندیشوں میں گھرے شادی کا دن بھی آپہنچا تھا۔ بڑے بھائی اور بھابی بچوں کے ایگزامز کے باعث نہ آسکے تھے مگر فون پر ان کا رابطہ بدستور قائم تھا وہ خواہش کے باوجود بڑی بھابی سے اپنے خدشوں ووسوسوں کا اظہار نہ کر سکی تھی۔

بارات آچکی تھی‘ نکاح بھی ہو چکا تھا۔ ڈنر کے بعد اب رخصتی کی تیاری تھی‘ دلہنوں کے روائتی سرخ لہنگے سوٹ‘ زیورات و میک اپ میں اس کا سحر انگیز حسن دہک اٹھا تھا۔ اس کی دوستوں کو دولہا بہت پسند آیا تھا۔ اس کی چارمنگ پرسنالٹی و آئیڈیل فگر کی وہ تعریف کر رہی تھیں اور ساتھ ہی انہیں اس بات پر حیرانی تھی کہ اس کی ساس و نندوں میں سے کوئی بھی اس کے قریب نہ آیا تھا جواباً وہ چپ رہی تھی۔ صوفیہ اور سارہ اس کے پاس رخصتی سے کچھ دیر قبل آئی تھیں اس کی دوستوں کو باہر بھیج دیا تھا جہاں دولہا کو سلامی دی جا رہی تھی۔

''اریج! گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے جاتے ہی عمر پر کنٹرول کر لینا‘ تائی اور ان کی بیٹیوں کے تیور اچھے نہیں لگ رہے۔ میاں تمہاری مٹھی میں ہوگا تو یہ سب تمہارے پیچھے دم ہلاتی پھیریں گی۔'' صوفیہ نے نصیحت کی۔

''سنو...... جب تک تگڑی منہ دکھائی نہ ملے منہ نہ دکھانا۔'' سارہ نے مشورہ دیا۔

''سارہ! پھر تو عمر کو اپنی ماں ہی تگڑی رونمائی میں دینی پڑے گی۔'' صوفیہ کے ساتھ سارہ بھی کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں؟'' شہرین بھابی اریج کو تیکھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے خوشگوار موڈ میں بولیں۔

''بھابی! ہم اریج کو سمجھا رہے ہیں جا کے گوری میکے کی لاج رکھنا‘ ہر ظلم و ستم ساس نندوں کے سہنا مگر اف نہ کرنا۔'' سارہ نے سیاسی جواب دیا۔

''ہاں...... اپنی زبان کو قابو میں رکھنا۔ میں نے سنا ہے عمر غصے کے تیز ہیں اور ماں‘ بہنوں سے بہت اٹیچڈ ہیں ان کے خلاف ایک لفظ برداشت کرنے کا روادار نہیں ہے۔'' بظاہر ان کا لہجہ شیریں و اپنائیت سے پر تھا مگر وہ سمجھ چکی تھی کہ وہ اپنی تسکین کے لیے عمر اور اس کے گھر والوں کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر چکی ہیں جبھی ان کے اوصاف انہیں گنوا رہی تھیں اور اس کا دل اندر ہی اندر بیٹھنے لگا۔ بھابی کی معلومات کبھی غلط نہیں ہو سکتی تھیں اور پھر جس طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں اپنے ماموں زاد کے پرپوزل کے انکار کے باوجود وجہ اسے اب سمجھ میں آئی تھی۔

سجی سجائی کار منزل کی طرف رواں دواں تھی۔

دونوں اطراف میں اس کی نند اور ساس بیٹھی ہوئی تھیں۔ بڑی نند کی کہنی ریوالور کی نوک کی طرح بائیں پہلو میں گڑی ہوئی تھی اور ساس صاحبہ کا وجود کسی غریب کی جھونپڑی کے آگے بنگلے کی طرح تمام ہوا روکے ہوئے تھا۔ ساس کے حکم پر اس کا لمبا گھونگھٹ نکال دیا گیا تھا۔ اس میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا مگر وہ خاموشی سے برداشت کرنے پر مجبور تھی۔

''کار گدھا گاڑی کی رفتار سے کیوں چلا رہے ہو؟ اس لڑکی نے میرا دم گھونٹ کر رکھ دیا ہے۔ مجھ سے صحیح سے سانس بھی نہیں لیا جا رہا۔'' صاعقہ اپنے بھانجے رافع سے مخاطب ہوئیں جو کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

''سانس تو بے چاری بھابی کا آپ نے روکا ہوا ہے‘ ذرا گھونگھٹ ہی ان کا سرکا دیجیے‘ اس ماڈرن دور میں کون ایسے ''فرشی گھونگھٹ'' نکالتا ہے بلکہ اب تو سرے سے دلہنوں کے چہرے پر گھونگھٹ ہی نہیں ہوتا۔'' رافع بچپن سے ان سب سے کلوز تھا عمر کے امریکہ جانے کے بعد صاعقہ نے اسے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ وہ جب سے ہی ان میں سگے بیٹے و بھائی کی طرح گھل مل گیا تھا اب جاب اور گھر کی ذمے داریوں کے باعث وہ مستقل تو یہاں نہیں رہ پاتا تھا مگر وقت ملتے ہی آ جاتا تھا وہ آرام سے بولا۔

''یہ سب بے حیا لوگوں کی بے حیائی ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔''

''پڑھ لکھ کر شرم و حیا تو جیسے فروخت کر دی ہے۔ ماں اور بڑے بھائی کے سامنے کیسی بے شرمی کی بات کر رہا ہے؟'' سار یہ خوامخواہ ہی طیش میں آئی تھی۔

''دو سال تو بڑے ہیں مجھ سے عمر بھائی‘ اور اریج بھابی تو تین چار سال چھوٹی ہوں گی‘ مگر دیکھیے گا‘ کل کس مزے سے میرا نام لیں گی۔'' رافع سارے راستے کچھ نہ کچھ کہتا ہی آیا تھا فرنٹ سیٹ پر بیٹھا عمر زیادہ اس کی شوخیوں کی زد پر تھا جس کے سنجیدہ چہرے پر دھیمی مسکراہٹ تھی مگر آنکھوں

میں وہ مسرتیں نہ تھیں جو ایسے موقع پر ہونی چاہیے تھیں۔ ماں، بہنوں نے جس طرح سوگ بھری خوشیاں اس کی شادی کی منائی تھیں آتے جاتے ان میں سے کوئی نہ کوئی اندیشہ اس کی سماعتوں میں پہنچاتی رہتی تھیں۔

''جادوگرنی کی بیٹی آرہی ہے۔ اللہ ہی حافظ ہے میرے گھر کا۔''

''ہمارا تو ایک ہی بھائی ہے اگر اس کو بھی اس نے ورغلا دیا تو کیا ہوگا؟''

''میں نے سنا ہے جتنی خوبصورت ہے اتنی ہی بدمزاج و زبان دراز ہے اور جھگڑالو تو اتنی ہے کہ اپنی بھابی کو سکون سے نہیں رہنے دیتی۔''

''آئے ہائے آگ لگے ایسی خوبصورتی کو جہاں تمیز و آداب نہیں۔''

''بھائی کو ذرا ڈھیل نہیں دینی چاہیے تو سب ٹھیک رہے گا۔''

ان کے تمام اندیشوں و وسوسوں سے نہ سہی مگر ماں بہنوں کی ان باتوں سے وہ اتفاق کرتا تھا کہ اس کی ہونے والی شریک حیات بدزبان، بدتمیز و جھگڑالو ہے۔ اس کے مزاج کے جوہر وہ اس سے پہلی ملاقات میں دیکھ چکا تھا اس وقت اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ شعلہ صفت لڑکی اس کی زیست کا عنوان بنے گی۔

''عمر! بیٹے کیا سو گئے؟ کار سے اترو گھر آ گیا ہے۔'' صاعقہ بیگ کی آواز پر وہ ہڑبڑا کر سوچوں سے نکلا تھا۔

''سو نہیں گئے، کھو گئے ہیں گھونگھٹ میں چھپے مکھڑے کے خیال میں۔'' ڈرائیونگ کھولتا ہوا رافع قہقہہ لگا کر بولا جواباً عمر نے گھورا تھا۔

''رافع کے بچے! بڑے پر نکل گئے ہیں تیرے، ٹھہر...... خالہ سے کہہ کر تیرا ابھی بندوبست کرواتی ہوں، سارے راستے دماغ کھاتا آیا ہے۔''

''قسم سے آپی! میں اور میرے ہونے والے بچے بھی آپ کو دعائیں دیں گے، مما کو تو چاندی بہو لانے، گلاب سے پوتے کھلانے کا شوق ہی نہیں ہے۔'' رافع اپنے پروں پر پانی پڑنے دینے والا نہ تھا۔

''توبہ...... شادی کے لیے کیسے مرے جا رہے ہو، مگر منہ دھو رکھو، جب تک بڑی بہنوں کی شادی نہیں ہو جاتی تمہارا نمبر نہیں آئے گا۔'' ماریہ ماں کے ساتھ اندر جاتے ہوئے اسے چڑانے لگی تھی۔

''عمر بھائی! بھابی کو اٹھائیے اور چلیے۔'' وہ کچھ فاصلے پر کھڑے عمر سے مخاطب ہوا۔ اس نے ایرج کو سہارا دے رکھا تھا کیونکہ بھاری بھرکم لہنگے کو سنبھالنے کی ناکام کوشش میں وہ ڈگمگا رہی تھیں۔ وہ مضبوطی سے اسے سہارا دیئے ہوئے تھا۔ حالانکہ اس وقت یہ کام نندوں اور بھابیوں کا ہوتا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی قریب نہ تھا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہنسی مذاق، قہقہوں سے فضا زعفران زار بنی ہوئی تھی وہ سب صاعقہ کے میکے سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی ناپسندیدگی سے واقف تھے اس لیے کوئی قریب نہ آیا تھا۔

''عمر بھائی! کیا سوچ رہے ہیں آپ؟ خالہ جانی نے بھابی کا برائیڈل سوٹ اپنے ویٹ کے مطابق بنوالیا ہے بھابی سے سنبھالا نہیں جا رہا۔ آپ اٹھائیں ان کو اور اندر چلیں۔'' رافع کو بھی دلہن سے لاتعلقی پسند نہ آئی تھی۔

اسی دم شفیق صاحب وہاں چلے آئے تھے۔

''چلو بیٹا! دلہن کو اٹھا کر اندر لے چلو۔'' وہ آ کر عمر سے گویا ہوئے۔ ساتھ ان کے چاروں بیٹیاں تھیں۔ ان کے چہروں کے تاؤ بتا رہے تھے وہ آئی نہیں زبردستی لائی گئی ہیں۔ یقیناً شفیق صاحب ڈانٹ ڈپٹ کر لائے ہیں۔ صاعقہ بیگم ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود نہ آئی تھیں بقول ان کے......

''اپنی تباہی کے سامان کو وہ خود اپنے ہاتھوں اندر نہیں لاسکتیں۔'' وہ چاروں لاتعلق کھڑی تھیں۔ باپ کے حکم پر عمر نروس ہو گیا تھا۔ رافع کے مذاق کو اگنور کرتا رہا تھا۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ اسے ہاتھ لگانے سے ہی بوکھلاہٹ کا شکار تھا۔ کجا کہ اسے گود میں اٹھانا؟ اس کی طبیعت بچپن سے ہی سنجیدہ، خاموش اور پروقار تھی۔ وہ کسی سے جلد فری نہیں ہوتا تھا۔ وہ بے حد حساس و تنہائی پسند تھا جو لوگ اسے قریب سے نہ جانتے تھے وہ

اسے اکھڑ و مغرور سمجھتے تھے۔

''کیا سوچ رہے ہو؟ اٹھالو گے یار!'' ماموں نے قریب آ کر چھیڑا تھا۔ سب کی مسکراہٹوں و شوخ نظروں کی زد میں وہ آگے بڑھا تھا اور جھجکتے ہوئے ایرج کو اس آرام سے بازوؤں میں اٹھا چکا تھا گویا وہ لڑکی نہ ہو کوئی بے جان گڑیا ہو۔ اس لمحے کئی شوخ سیٹیاں بجی تھیں' کئی شرارتی جملے اچھالے گئے تھے وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ پھولوں سے ان کا استقبال ہو رہا تھا اور دروازے کی جھری سے دیکھتی ہوئی صاعقہ بیگم نے دل پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''ہائے اللہ! بیٹا تو پہلے ہی قدم پر ہاتھوں سے نکلتا نظر آ رہا ہے۔''

اس شگفتہ ماحول' مسرتوں و قہقہوں نے پہلی بار اس کے اندر خوشی کی کوئی کرن جگمگائی تھی' اس کے لطیف وجود کا لمس' لباس سے پھوٹتی سہاگ کی سحر انگیز مہک نے اس کے جذبوں کو گدگدانا شروع کر دیا تھا' دل قرب و سرور کے کیف میں ڈوب کر بے قابو ہونے لگا۔

آپی کے اشارے پر وہ اسے سیدھا بیڈ روم میں لے آیا تھا اور پھول بکھرے بیڈ پر آہستگی سے بٹھا دیا تھا۔ پورا بیڈ روم گلاب کے پھولوں سے مہک رہا تھا۔

''ارے کیا رسمیں نہیں ہوں گی جو دلہن کو سیدھا بیڈ روم میں پہنچا دیا ہے؟'' ایک خاتون نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

''بیڈ روم میں رسمیں کرنا منع ہیں کیا؟'' ساریہ نے تنک کر کہا۔

''ارے غضب ہو گیا بھائی.....'' زوبی اندر آ کر گلوگیر لہجے میں بولی۔

''کیا ہو گیا؟ کیا ہو گیا؟'' وہاں موجود خواتین کی آوازوں میں عمر کی آواز دب کر رہ گئی۔ ایرج بری طرح سہم گئی۔

''امی باتھ روم سے باہر آتے ہوئے گر گئی ہیں۔'' بدحواس ہو کر عمر اسی ٹائم کمرے سے نکل گیا۔ پیچھے تمام خواتین بھی چلی گئیں۔ مہکتے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ایرج نے کانپتے ہاتھوں سے گھونگھٹ الٹا' بیڈ روم بہت سوبر اور آرٹسٹک انداز میں ڈیکوریٹڈ کیا گیا تھا۔ بیڈ کے اطراف گلاب کے تازہ پھولوں کی لڑیاں بہار دکھا رہی تھیں۔ فرنیچر زترتیب میں تھا۔ ڈارک اینڈ لائٹ بلو کا کمبی نیشن دیواروں اور پردوں پر چھایا سکون آمیز تھا۔ چھت کے وسط میں آویزاں فانوس نے ہر شے روشن کر رکھی تھی مگر..... اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا، دل گھبرائے جا رہا تھا۔

''ارے یہ کیا ہوا؟ دلہن نے جیسے ہی گھر میں قدم رکھا ساس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ یہ کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔'' ممانی خوفزدہ لہجے میں بولیں۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو بھابی آپ' میری بہن اور اس کی اولاد کو اللہ اپنی حفظ و امان میں رکھے۔'' بڑی خالہ تشویش زدہ تھیں۔

''پریشانی کی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ڈاکٹر انجکشن لگا گیا ہے دوا دے گیا ہے' نہ ٹانگ ٹوٹی ہے اور نہ ہی کوئی چوٹ آئی ہے۔ شاید تمہاری امی خوف سے بے ہوش ہو گئی ہیں۔'' شفیق صاحب نے تسلی دی تھی۔

''لیکن پاپا! ایسی بھی کیا بے ہوشی پچھلے دو گھنٹے سے امی بے ہوش ہیں دوا' انجکشن کے باوجود ہوش نہیں آ رہا' نہ معلوم کس قسم کی ہیں ہماری بھابی' گھر میں قدم رکھتے ہی ہماری ماں کو بستر پر ڈال دیا سبز قدم کہیں کی۔'' زوبی نے زور و شور سے روتے ہوئے باپ سے کہا۔

''زوبی! کیا بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو؟ یہ اتفاق ہے محض اور آپ کی والدہ محترمہ تو ہیں ہی نازک مزاج' عمر! اپنے کمرے میں جاؤ' تمہاری امی ٹھیک ہیں اور ہاں..... اگر تم لوگوں کو کچھ رسمیں وغیرہ کرنی ہوں تو جلد از جلد کرو۔'' شفیق صاحب صاعقہ کے چہرے پر ملامت آمیز نگاہیں ڈالتے ہوئے چلے گئے تھے۔ ۳۸ سالہ رفاقت میں وہ ان کی رگ رگ سے واقف ہو چکے تھے مگر وہ ہٹ دھرمی میں اکلوتے بیٹے کی خوشیوں کا بھی خیال نہ کریں گی اس کا انہیں اندازہ نہ تھا۔

''کیسی باتیں کررہے ہیں بھائی صاحب! ایسے موقع پر رسمیں اچھی لگیں گی؟ پھر سارے مہمان بھی جاچکے ہیں۔'' ممانی نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''نہ معلوم کس نیت سے کھانا کھلایا ہے' پیٹ میں درد ہی ختم نہیں ہورہا۔'' ثوبیہ کی بات کی تائید باقیوں نے بھی کی۔

''قصور کھانے کا نہیں' آپ کے پیٹ کا ہے کیوں اتنا کھایا کہ......''

''رافع! خاموش رہو' ہر بات میں دخل اندازی ضروری نہیں ہے۔'' رافع کی والدہ نے اسے ڈانٹا وہ ہونٹ بھینچ کر کھڑا ہوگیا۔

''ہائے......میں مری' کیسا درد ہورہا ہے۔'' اسی دم صاعقہ کو ہوش آیا تو ہائے ہائے کرتے ہوئے بولیں پھر قریب بیٹھے عمر کا ہاتھ پکڑ کر گویا ہوئیں۔

''میرے بیٹے! میرے چاند' تیرا تو اللہ ہی حافظ ہے۔''

''امی! درد زیادہ ہورہا ہے؟'' اس نے ان کا ہاتھ' ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

''کیسی بے سروپا باتیں کررہی ہو دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا؟ یہ موقع ایسی احمقانہ باتیں کرنے کا ہے۔' شفیق صاحب شدید اشتعال میں کہہ رہے تھے۔''سو جاؤ' بہت ٹائم ہوگیا ہے آپ لوگ بھی اپنے کمروں میں جائیں۔'' وہ شدید غصے میں کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

''خالو ٹھیک کہہ رہے ہیں' خالہ جان' اگر ہم ہی ایسی باتیں کریں گے تو باہر والوں کو باتیں بنانے کا موقع مل جائے گا۔'' رافع نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''چلو عمر! تم بھی اپنے کمرے میں جاؤ۔ بہت ٹائم گزر چکا ہے۔'' ممانی نے کہا۔

''جا میرے بچے تجھے اللہ کے حوالے کیا۔ کمرے میں قدم رکھنے سے پہلے آیت الکرسی ضرور پڑھ کر پھونک لینا' نہ معلوم کیا کیا جادو منتر لائی ہوگی۔''

''اوہ خالہ جان! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ کہیں ایسا بھی ہوتا ہے جیسا آپ کہہ رہی ہیں حد ہوتی ہے توہم پرستی کی' بھائی کا خیال نہیں ہے آپ کو' بھابی کی صورت دیکھنے سے قبل ہی آپ بدگمانیاں پیدا کررہی ہیں ان کے دل میں......'' رافع حیرانی و تاسف سے کہتا ہوا عمر کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گیا تھا۔

وہ دروازہ بند کرکے بیڈ کی طرف بڑھا تو نہ انداز میں کوئی گرمجوشی تھی نہ دل میں کوئی امنگ جگمگا رہی تھی' چند گھنٹوں قبل جب وہ اسے بازوؤں میں اٹھا کر لارہا تھا تو خود کو آکاش پر پرواز کرتا ہوا محسوس کررہا تھا۔ ارمانوں و خواہشوں نے دل میں تلاطم برپا کردیا تھا مگر گویا سب سمندر کی تہہ میں گم ہوتا چلا گیا تھا۔ بہنوں کے اداس چہرے' ماں کی تکلیف' اس کی خوشیوں پر حاوی آچکی تھی۔ اس نے بے تاثر نظروں سے بیڈ کے وسط میں دیکھا۔

''آپ ابھی تک بیٹھی ہوئی ہیں؟ اتنا ٹائم گزر گیا' جایئے ڈریس چینج کرکے آجائے' تھک گئی ہوں گی۔'' بیڈ کے کنارے پر بیٹھا شوز اتارتا ہوا وہ اس سے عام سے لہجے میں بولا جیسے وہ ایک طویل عرصے ساتھ رہتے آرہے ہوں۔ اس کے اندر بڑی زور کی توڑ پھوڑ مچی تھی۔ وہ بکھر سی گئی' چار گھنٹے سے وہ اس کے انتظار میں جن خارزار وسوسوں سے گزری تھی' اس کا صلہ یہ عام سے غیر جذباتی و بے وقعت سے لفظ تھے کن اذیت و کرب کے لمحوں سے گزری تھی وہ' اس کا احساس کسی کو بھی نہ ہوا تھا کہ وہ تنہا کس قدر پریشان و فکرمند ہوگی؟ گھر میں داخل ہونے کے بعد کسی نے اس کا گھونگھٹ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا' نہ کوئی ساس کے متعلق خبر دے کر گیا اور جس عام سے انداز میں اس کے مجازی خدا نے مخاطب کیا تھا' اپنی تذلیل و تضحیک کے احساس سے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

عمر اسے اسی طرح بیٹھے دیکھ کر خود کپڑے چینج کرنے چلا گیا تھا' اس کے جانے کے بعد آنسو صاف کیئے وہ خود کو کمزور ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔

اس نے دوپٹہ شانوں پر ڈالا اور زیور اتارنے لگی' معاً بھابی کے کبھی کہے گئے الفاظ سماعتوں میں گونجے۔

''میری بددعا ہے تمہیں ایسا شوہر ملے' جو تمہاری قدر ہی نہ کرنا جانے' بہت ناز ہے تمہیں اپنی حسین صورت پر' وہ تمہاری صورت پر تھوکنا بھی گوارا نہ کرے۔ پھر تمہیں اپنی اوقات معلوم ہوگی۔'' اس کے آنسو پھر چھلکنے لگے۔

''بھابی! آپ نے مجھے دل سے بددعا دے دی تھی' خدا گواہ ہے میں نے کبھی اپنی صورت کو ناز کے قابل نہ جانا تھا۔'' اس نے سسکتے ہوئے سوچا تھا۔

وہ خود کو ابھی ہاتھوں کے زیور سے آزاد کر پائی تھی کہ عمر نائٹ سوٹ پہن کر ڈریسنگ روم سے باہر آ گیا تھا۔ اس نے جلدی سے دوپٹہ سر پر ڈالا اور لہنگا سنبھالتی ہوئی بیڈ سے اترنے لگی تھی۔ ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ دوپٹے اور لہنگے میں بیک وقت پاؤں الجھا تھا وہ بے توازن ہوتی ہوئی زمین بوس ہوگئی اور اس کی بے اختیار چیخ سے کمرہ گونج اٹھا تھا۔

بال بناتا ہوا عمر برش پھینک کر اس کی طرف بڑھا تھا۔

''کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟'' وہ اسے سہارا دے کر اٹھاتا ہوا متفکرانہ انداز میں گویا ہوا۔ مارے شرمندگی کے وہ صرف نفی میں سر ہلا سکی تھی۔ وہ اسے دوبارہ بیڈ پر بٹھا کر گلاس میں پانی لے آیا۔

''پانی پی لیں پھر ڈریس چینج کیجیے گا۔'' گلاس دیتے وقت اس کی نگاہ اریج کے چہرے سے ٹکرائی تھی پھر وہ نگاہیں جھکانا بھول گیا تھا۔ گھبرائی ہوئی' شرمندہ سی بھیگی پلکوں والا چہرہ کچھ ایسی پرکشش جاذبیت لیے ہوئے تھا کہ وہ دیکھتا رہ گیا۔ بنا پلکیں جھپکائے' یک ٹک۔

''میں...... میں کپڑے چینج کرنے جا رہی ہوں۔'' اس کی آنکھوں کی حدت و چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر وہ بری طرح بوکھلا گئی تھی۔

''اونہوں...... بدل لینا اتنی جلدی کس بات کی ہے۔'' وہ گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر رکھتا ہوا بوجھل لہجے میں مسکرا کر بولا۔

''یہ میں آپ کے لیے لایا تھا۔'' وہ بیڈ سائیڈ سے بلو شنیل کا کیس نکال کر اس میں سے جھلملاتا ڈائمنڈ نیکلس اس کے گلے میں پہناتا ہوا بولا۔

''سوری' امی کی وجہ سے خاصی ڈسٹربنس ہوگئی ہے۔'' اس کے شانوں پر بازو پھیلائے وہ کہہ رہا تھا۔ چند لمحوں قبل کی تمام بیزاری و سرد مہری برف کی طرح بہہ گئی تھی۔ اب اس کے چہرے پر جذبوں کے رنگ تھے۔ آنکھیں وارفتگی سے اس کے گھبرائے' شرمائے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

''تائی امی کی طبیعت کیسی ہے؟'' اس نے نگاہیں جھکائے جھکائے سوال کیا۔ وہ اس کے حنائی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''اب قدرے بہتر ہیں۔ ہماری شادی جن حالات میں ہوئی ہے یا جن جذبوں کے تحت کروائی گئی ہے ان سے آپ اچھی طرح واقف ہوں گی' پاپا اور چچا کی طرح میری بھی خواہش خاندان کو جوڑنے کی رہی ہے۔ اچھے کاموں کے لیے انسان کو بے حد صبر و استقلال' تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس میں وجود چھلنی ہو جاتا ہے اور پاؤں لہولہان' یہاں ایک راستہ ایسا بھی آتا ہے کہ انسان سوچتا ہے وہ ہار گیا مگر یہ صرف دھوکا ہوتا ہے سچ کی روشنی ضرور پھیلتی ہے جو برائی کے تمام اندھیروں کو نگل جاتی ہے۔ امی اور چچی اماں کو ایک کرنے کے لیے آپ کو بھی میرے ساتھ ساتھ چلنا ہوگا۔ امی غصے کی تیز ضرور ہیں مگر نرم دل محبت کرنے والی بھی بہت ہیں۔ آپ کو میری خاطر سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا صرف چند ماہ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اس کے شانوں پر بازو رکھتے ہوئے بولا۔

باہر سے دروازہ ناک کیا گیا تھا وہ چونک کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"عمر! نہ معلوم امی کو کیا ہوگیا ہے' ان کی طبیعت بہت بگڑ گئی ہے۔ وہ مسلسل تمہیں پکارے جا رہی ہیں۔" دروازے پر ساریہ گھبرائی کھڑی تھیں۔
وہ گھبراہٹ میں لمحہ ضائع کیے بنا وہاں سے چلا گیا۔ پیچھے اریج بھی لپکی۔
"تم کہاں چلیں؟" ساریہ کمر پر ہاتھ رکھ کر فہمائشی انداز میں گویا ہوئیں۔
"تائی جان کو میں بھی دیکھ آؤں۔" ساریہ کے انداز نے اسے چونکا دیا تھا۔
"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی ہمیں اپنی ماں کی ضرورت ہے، تمہارے منحوس قدم اس گھر میں کیا آئے کہ امی کو بستر سنبھالنا پڑا۔ تمہارا ڈائن وجود انہیں نگل نہ جائے۔ کپڑے بدل کر سو جاؤ' عمر کا انتظار مت کرنا' وہ اب نہیں آئے گا۔" ان کے لہجے میں اتنی نفرت وحقارت تھی کہ وہ مزید قدم آگے نہ بڑھا سکی' وہ چلی گئیں۔ اسے محسوس ہوا تائی کی بیماری محض ناٹک ہے ان دونوں کو ایک دوسرے سے دور رکھنے کی گھناؤنی سازش۔



"عمر! اٹھو بیٹا' تم یہیں سو گئے؟ میں بھی دواؤں کے نشے میں مدہوش ہوگئی۔ بھلا دلہن کیا سوچ رہی ہوگی چلو اپنے کمرے میں جاؤ۔" صبح صاعقہ نے عمر کو جگاتے ہوئے پریشان لہجے میں کہا وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ صبح کا اجالا کھڑکیوں سے جھانک رہا تھا وہ ایسی بے خبری کی نیند کبھی نہ سویا تھا۔
"جاؤ بیٹے!" صاعقہ نے پچکارتے ہوئے اصرار کیا۔
"امی! بھابی جان کو تو یہاں آ کر آپ کی خیریت معلوم کرنی تھی جبکہ بھائی بھی ساری رات کمرے میں نہیں گئے۔" کمرے سے نکلتے ہوئے ثوبیہ کی آواز آئی۔ وہ کمرے میں جانے کے بجائے مسجد چلا گیا۔ نماز پڑھ کر کمرے میں آیا تو وہ کاٹن کے سادہ پنک سوٹ میں بہت تازہ وکلیوں کی طرح نوخیز لگی۔
"صبح بخیر۔" وہ مسکراتا ہوا اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ "رات امی کی طبیعت خراب ہوگئی تھی اور شاید یہ شادی کی ایک ہفتے کی تھکن تھی جو میں پہلی بار زندگی میں اتنی گہری نیند سویا کہ اٹھانے سے بیدار ہوا ہوں۔" وہ خاموش رہی کیا بولتی کہ یقیناً اس میں بھی ان کی شرارت رہی ہوگی۔
"کچھ بولو! ناراض ہو؟" اسے خاموش دیکھ کر وہ فکرمندی سے گویا ہوا۔
"نہیں...... اب کیسی طبیعت ہے تائی امی کی؟" وہ آہستگی سے پوچھ بیٹھی۔
"بہتر ہے...... آپ کو رات امی کی طبیعت دریافت کرنے آنا چاہئے تھا جبکہ میں پھر یہاں آیا بھی نہیں تھا۔" اس نے ثوبیہ کا شکوہ خود دہرایا وہ سوچنے لگی ساریہ والی بات بتائے کہ نہ بتائے اسی اثناء میں گیٹ پھر ناک ہوا۔ سومیہ چائے لیے اندر آ گئی' وہ کپ ساس عمر کو پکڑا کر اس کے پاس چلی آئیں۔ وہ ان کی سرد نگاہوں سے اس قدر ٹپٹائی کہ انہیں سلام بھی نہ کر سکی۔
"صبح کے وقت بڑوں کو سلام کیا جاتا ہے۔ خیر ہمارے ہاں رہو گی تو تمام آداب تمیز سیکھ جاؤ گی۔ چلو امی یاد کر رہی ہیں چائے ان کے ساتھ ہی پینا۔" وہ اریج سے مخاطب ہو کر عمر سے شوخ لہجے میں بولیں۔
"دلہن کو لے جاؤں؟ کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"
"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے آپی۔" وہ جبراً مسکرایا۔
سومیہ کی ہمراہی میں وہ مختلف راہداریوں' کمروں سے نکل کر ساس کے کمرے میں پہنچی تھی سامنے بیڈ پر ساس بے خبر ہاتھ پاؤں چھوڑے سو رہی تھیں۔ ان کے برابر میں ثوبیہ نیند میں گم تھی۔
"چائے میں نے صرف عمر کے لیے بنائی تھی' جب سب کے لیے بنے گی تمہیں بھی مل جائے گی' یہاں لیٹ جاؤ......" وہ صوفے کی طرف

اشارہ کر کے چلی گئیں۔ ان کے منصوبے وہ پوری طرح سمجھ گئی تھی، کوئی خوش کن امیدیں لے کر وہ بھی یہاں نہ آئی تھی، اسے یقین تھا یہ سب اس کے ساتھ ہوگا مگر اتنی جلد اور اس انداز میں ہونے کی امید نہ تھی۔ نینداس کی روٹھ چکی تھی وہ صوفے پر لیٹ گئی۔ آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا پھر ایسے ہی لیٹی رہی۔ نہ معلوم کتنا ٹائم گزرا تھا ساس کے خراٹوں کی آواز بند ہوئی تو اس نے معمولی سا ہاتھ ہٹا کر دیکھا وہ نارمل انداز میں اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ جانے سے قبل محتاط انداز میں اس کی جانب بھی کئی بار دیکھا تھا۔ رات سے اب تک انہیں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بیوقوف بنایا جا رہا تھا۔ نفرت و غصے کی لہر اس کے اندر اٹھی تھی اس نے بھی ان کی چوری پکڑنے کا فیصلہ کر لیا اور جیسے ہی وہ باتھ روم سے آئیں وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''السلام علیکم تائی جان۔'' وہ براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''آں...... میں گری...... ارے گری ثوبی!'' انہیں معلوم نہ تھا کہ بھانڈا اس طرح پھوٹے گا اپنی دانست میں وہ فوراً باتھ روم سے آئی تھیں اور سلام کا جواب دینے کے بجائے لڑکھڑاتی ہوئی بیڈ پر جا گری تھیں۔

''کیا ہوا امی؟'' ثوبیہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

''بڑی ہمت کر کے باتھ روم تک گئی تھی۔ واپسی میں پھر ٹانگ میں ایسا درد اٹھا کہ چکرآ گیا ہائے۔'' وہ ٹانگ پکڑ کر ہائے ہائے کرنے لگیں۔

''لائیں میں آپ کی ٹانگ دبا دوں تائی جان۔'' اپنے باپ کی نصیحت اور رات کو جو عمر نے صبر و استقلال' ہمت و بہادری کا درس دیا تھا ان کے پیش نظر وہ ان کے کارنامے اگنور کر کے ان کی طرف بڑھی تھی۔

''اے خبردار! کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے اپنے منحوس ہاتھ لگانے کی۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں ہماری امی کو ہاتھ لگانے کی' نہ معلوم کس نیت سے اس گھر میں آئی ہو کہ آتے ہی پہلا حملہ امی پر کیا ہے۔'' ثوبیہ جو اس کی ہم عمر تھی اس سے بات کرتے وقت اس کے انداز میں جو بے زاری و حقارت تھی پھر جس بدتمیزی سے اس نے اریج کو ہاتھ سے دھکا دیا تھا وہ اسے سن کر گیا۔

''جادوگرنی کی بیٹی جادوگرنی نہ ہوگی تو کیا ہوگی' مگر اب تم ماں' بیٹی کے کوئی جادو چلنے والے نہیں' میں پہلے سے انتظام کر کے بیٹھی ہوں۔ پکا بندوبست کروایا ہے میں نے جن ارادوں سے تم اس گھر میں آئی ہو وہ کبھی پورے نہ ہوں گے۔ یہ تو تم نے رات کو ہی دیکھ لیا ہوگا' میرا بیٹا میرے فیور میں کس قدر ہے کہ پہلی رات کی دلہن کو چھوڑ کر آ گیا' پروانہ کی اس نے' میری بیٹیوں اور مجھ سے بڑھ کر اسے تم کبھی عزیز ہو ہی نہیں سکتی ہو اپنی اوقات میں رہنا۔'' وہ تمسخرانہ لہجے میں جتا رہی تھیں اور اس کے ذہن میں اماں کی آواز گونج رہی تھی۔

''چار بہنوں کا اکلوتا بھائی' چیونٹیوں بھرا کباب۔''

اسے لگا وجود میں تیزی سے باریک سرخ سرخ چیونٹیاں سرائیت کرتی جا رہی ہوں اور ان کے زہریلے ڈنکوں نے گوشت نوچنا شروع کر دیا تھا۔

باہر سے بھاری قدموں کی چاپ پہچان کر وہ ہائے ہائے کرنے لگیں۔ شفیق صاحب اندر آئے تو اس نے سلام کیا وہ جواب دے کر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر وہیں بیٹھ گئے۔

''ثوبیہ! ناشتہ لگوائیں بیٹا! بہت ٹائم ہو گیا ہے اریج کو بھی بھوک لگ رہی ہوگی۔'' وہ ثوبیہ سے مخاطب ہوئے تو وہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔

اسی اثناء میں سارہ چائے لے کر آ گئی اور تینوں کو کپ پکڑا دیئے۔

''ناشتہ تیار ہونے والا ہے' یہ اب تمہارے تایا ہی نہیں سسر بھی ہیں سر ڈھک کر رکھا کرو' اچھا لگتا ہے۔'' سارہ نے معمولی سے ڈھلک جانے

والے آنچل پر چوٹ کی۔

''ارے یہ میری بیٹی ہے اور بیٹی ہی رہے گی۔'' وہ شفقت سے گویا ہوئے۔

''ولیمہ آپ کو ملتوی کرنا پڑے گا۔'' صاعقہ نے تکلیف زدہ لہجے میں کہا۔

''کیوں خیریت؟ کارڈ بانٹے جاچکے ہیں۔'' ان کے انداز میں حیرانگی تھی۔

''مجھ سے چلا نہیں جارہا میری ٹانگ دیکھ رہے ہیں آپ؟''

''تمہاری ٹانگ کا ولیمے سے کیا تعلق؟'' وہ جز بز ہوئے۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں امی! پاپا' مہمانوں کو ریسیو امی کو ہی کرنا پڑے گا پھر تکلیف میں تقریب اچھی لگے گی' بعد میں دیکھا جائے گا۔'' اندر آتا ہوا عمر سنجیدگی سے بولا تھا۔

''یہ کس طرح ممکن ہے لوگوں کو دعوت دی جاچکی ہے ہال بک ہے۔''

''لوگوں سے فون پر معذرت کرلی جائے گی اور ہال منیجر سے بھی۔'' عمر کے انکار پر شفیق صاحب الجھ کر رہ گئے۔ صاعقہ بیگم نے ساریہ کی طرف فاتحانہ انداز میں دیکھا تھا۔

○○○

دوپہر کو شہرین بھابی اور صوفیہ بجیا اسے گھر لے آئی تھیں۔ تائی امی نے بخوشی اجازت دیتے ہوئے اسے کل بلوانے کا کہا تھا۔ عمر کہیں نظر نہیں آیا تھا' دونوں بہنوں کو ان کے ولیمہ نہ کرنے پر غصہ آرہا تھا۔ وہ اماں کے سامنے بیٹھی بڑبڑا رہی تھیں۔ اماں کے چہرے پر جامد خاموشی تھی اور آنکھوں میں تفکرات کے رنگ۔ بھابی آتے جاتے اس کے گلے میں پڑے ڈائمنڈ نیکلس کی قیمت کا اندازہ لگارہی تھیں۔ ان کے سانولے چہرے پر حاسدانہ تاثرات واضح تھے۔

ابا آئے تو اماں کو ساتھ لے کر تائی امی کی مزاج پرسی کو چلے گئے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں آگئی کل تک اس کے اندر ایک ہنگامہ برپا رہتا تھا اور آج سناٹے پھیلے ہوئے تھے۔ کل تک وہ اریج توفیق تھی تو بہت خوش و مطمئن زندگی تھی۔ اب وہ اریج عمر بنی تو وسوسے' اندیشے' ذلتیں' وناقدری اس کی جھولی میں آگری تھیں۔ صوفیہ بجیا کو یقین تھا تائی ولیمے کا خرچہ بچانے کے لیے ناٹک کررہی ہیں۔ بھابی بار بار کہہ رہی تھیں یہ اچھا نہیں ہوا۔ ہماری اریج کو اس حادثے کا طعنہ ملے گا۔ سارہ نے کچھ نہ کہا تھا وہ خاموشی سے اس کی چوڑیاں دیکھتی رہی تھی۔ وہ ہونٹوں پر جبراً مسکراہٹ سجائے خاموش رہی تھی۔ اماں ہمیشہ اس کے بلاسوچے سمجھے بولنے اور بے عقلی کے مظاہروں پر کڑھتی رہی تھیں کہ اسے عقل کب آئے گی۔ ۲۱ سالوں تک جس عقل وشعور کی سیڑھیاں وہ نہ چڑھ سکی تھی کل رات میں بے خبری کا راستہ چھوڑ کر عقل و شعور کی سیڑھیاں چڑھ گئی تھی اس نے ایک لفظ منہ سے نہ نکالا کہ جانتی تھی ان کے رویوں کی بھنک بھی اماں کے کانوں میں پڑگئی تو وہ کسی قیمت پر اسے وہاں نہیں بھیجیں گی' ابا اور تایا کے خواب ٹوٹ جائیں گے' بھابی پھولوں نہ سمائیں گی۔

''میں پہلے کہتی تھی کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہوسکتی۔'' امی کی تیز آواز پر اس نے پردے کی اوٹ سے دیکھا اماں کا چہرہ غصے سے تمتمار ہا تھا۔

''کیا ہوا اماں؟'' صوفیہ نے پوچھا۔

''سیدھے منہ بات نہیں کی اس نے' بھائی جان ہی بولتے رہے۔ داماد کو بھی توفیق نہ ہوئی کہ آکر دو انگلی کا سلام ہی کرجاتا ساس' سسر کو۔ اچھا نہیں کیا آپ نے میری بچی کو ڈبو دیا۔ مجھے نہیں لگتا میری بچی کے ساتھ وہاں اچھا سلوک ہوا ہوگا۔ ماں بیٹیوں کے تھوبڑے ابھی بھی سوجے ہوئے تھے۔''

"ایسا کچھ نہیں ہے بھلی عورت! بھابی شدید تکلیف میں تھیں' ان سے بات نہ کی جا رہی تھی' بچیاں اور بھائی صاحب اخلاق سے پیش آئے ہیں کافی ہے۔ عمر اس وقت گھر میں نہیں تھے۔" توفیق صاحب رسانیت سے سمجھانے لگے۔

"یہ جھوٹی تسلیاں خود کو دیں مگر میں کہے دیتی ہوں' میں نے اپنی بیٹی کو بڑے لاڈ و پیار سے پرورش کیا ہے' اگر اس کی مٹی خراب ہوئی تو اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی اس گھر کی' کان کھول کر سن لیں آپ۔"

○○○

وہ دوستوں سے فارغ ہو کر گھر آیا کچھ دیر امی اور بہنوں کے پاس بیٹھ کر گپ شپ کی' امی کو بالکل ٹھیک ٹھاک دیکھ کر اسے اطمینان ہوا۔ نظریں بچا کر اس نے کمرے میں ایرج کو تلاش کیا وہ وہاں نہیں شاید بیڈ روم میں تھی۔ امی نے کچھ دیر بعد ہی اسے کہا کہ کمرے میں جا کر آرام کرے ابھی تھکن کہاں اتری ہے۔ وہ انہیں شب بخیر کہتا اپنے کمرے کی طرف آ گیا آج سارا دن اسے یہ احساس ستاتا رہا کہ کل اس نے ایرج کے ساتھ ذرا اچھا سلوک نہیں کیا' امی کی پریشانی میں وہ اس کے جذبات و احساسات کا بالکل خیال نہ رکھ سکا تھا اور اس نے سوچا تھا آج کی شب وہ کل کی زیادتی کا ازالہ کر دے گا' معذرت کرے گا۔

وہ سوچوں میں گم سرشار سا بیڈ روم میں داخل ہوا۔ خالی بیڈ پر شکن چادر دیکھ کر وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ کمرہ اس کے وجود سے خالی تھا۔ اٹیچڈ باتھ' ڈریسنگ روم کی لائٹس آف تھیں کہاں گئی؟ اس کے وجیہہ چہرے پر اضطراب پھیلنے لگا۔ کشادہ پیشانی پر کئی شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔ وہ کافی دیر تک اضطراری انداز میں ٹہلتا رہا تھا پھر دروازہ کھول کر باہر آیا کوریڈور میں زوبی جاتی ہوئی نظر آئی۔ اسے اشارے سے بلایا۔ وہ قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

"تمہاری بھابی کہاں ہیں؟"

"وہ اپنی امی کے ہاں گئی ہیں کل آئیں گی۔ کیا آپ کو نہیں معلوم؟" وہ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتی ہوئی بولی۔

"کس کی اجازت سے گئی ہیں؟" اس کا خون کھولنے لگا۔

"آپ کی...... امی نے منع بھی کیا تھا مگر وہ بولیں آپ سے اجازت لے چکی ہیں۔"

"اوکے جاؤ تم۔" وہ آ کر بیڈ پر بیٹھ گیا وہ جو کل کی زیادتی کے مداوے کی نیت سے آیا تھا اور اس کی غلط بیانی و جھوٹ نے مسرتوں کی تمام تتلیاں اڑا دی تھیں۔ خوش گمانی کے پھول کھلنے سے قبل ہی مرجھا گئے تھے اس نے غصے میں موبائل پر نمبر پش کیے تھے۔ دوسری طرف جلد فون اٹھا لیا گیا۔

"میں عمر بول رہا ہوں' آداب بھابی۔" شہرین کی آواز سن کر اس نے بمشکل اپنے لہجے کی درشتگی پر قابو پایا۔

"خیریت ہی ہے پلیز ایرج سے بات کرا دیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ دوسری طرف بھابی نے ویٹ کرنے کو کہا اور شاید سیل لے کر وہ ایرج کے پاس گئی تھیں۔ گیٹ ناک کرنے کی آواز اس کی سماعتوں میں صاف آ رہی تھی۔

"سو چکی ہیں نہیں اٹھ رہیں' اوکے...... نہیں کوئی میسج نہیں گڈ بائے۔"

اس نے سیل بیڈ پر پھینک کر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

رات کھانے کے بعد محفل جمی تھی وہ نیند کا بہانہ کر کے اپنے روم میں چلی آئی تھی مگر نیند آنکھوں سے اوجھل تھی۔ عجیب بے کلی وجود میں پھیل گئی تھی۔ از خود ہی ذہن عمر کی طرف راغب تھا' نہ چاہنے کے باوجود وہ اسے سوچے جا رہی تھی' دل اس کی یاد میں ہمک رہا تھا جس کا ساتھ صرف چند منٹوں پر محیط تھا۔ وہ بھی اس کے لیے بے قرار ہو گا؟ اسے سوچ رہا ہو گا؟ اگر ایسا ہی ہے تو وہ فون تو کر سکتا ہے' میٹھی میٹھی باتیں نہ سہی سلام دعا ہی سہی۔ دروازہ دھیرے سے ناک ہوا اور بھابی کافی کا مگ اٹھائے اندر آ گئیں۔

"مجھے یقین تھا تم سو نہیں رہی ہو گی۔" وہ مگ اسے پکڑاتے ہوئے بولیں۔

''ارے آپ کو کیسے یقین تھا؟'' اسے شدید حیرانگی ہوئی۔

''مجھے حالات گڑبڑ لگ رہے ہیں۔'' انہوں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھی نہیں بھابی!'' وہ مستعد ہو کر بیٹھ گئی بھابی کی عنایت بلاوجہ نہ تھی۔

''اب مجھ سے مت چھپاؤ' بھابی ہوں کوئی دشمن تو نہیں۔ عمر نے تمہیں دوسرے دن ہی رکنے بھیج دیا کوئی اعتراض نہیں کیا؟'' وہ مطلب پر آ رہی تھیں۔

''اس میں اعتراض کی کیا بات ہے بھابی' کیا میں اب یہاں رک نہیں سکتی؟''

''یہ بات نہیں ہے بے وقوف' اس طرح شروع کے دنوں میں کوئی نہیں چھوڑتا۔ تمہارے بھائی کو ہی دیکھ لو شادی کو سال سے زیادہ ہو گیا رات کو گھر پر ہی ہوتی ہوں' رکنے نہیں گئی آج تک۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے' عمر بہت اچھے ہیں۔'' وہ کافی لبوں سے لگا کر بولی۔

''دھیان رکھنا ایک عرصہ وہ غیر ملک میں رہ کر آیا ہے نا معلوم کیا کیا گل کھلائے ہوں گے۔ جن لوگوں کو بغیر شادی کے سب کچھ مل جاتا ہو ان کو بیوی کی پروا کہاں رہتی ہے تم دھیان رکھنا۔'' وہ اس کے لیے سوچوں کا تکلیف دہ نیا باب کھول گئیں۔ یہ بتائے بغیر کہ عمر کی کال آئی تھی اور انہوں نے اپنے اٹیچڈ باتھ روم کا دروازہ خاصی دیر تک ناک کر کے اس سے سراسر جھوٹ کہا تھا۔

آج وہ اسے لینے آئے تھے۔ ابا' اماں نے کھانے پر خوب اہتمام کیا تھا۔ کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ پرپل کلر کے بھرے ہوئے سوٹ میک اپ اور جیولری میں وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ عمر لائٹ کلر کے پینٹ سوٹ میں ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس نے ایک بھرپور نگاہ کے بعد دوسری اس پر نہ ڈالی تھی۔ شفیق اور توفیق صاحب آج اپنی فیملی کو ساتھ دیکھ کر بے حد مسرور تھے۔ صوفیہ کافی کا تھرموس اٹھائے بڑھ رہی تھیں۔ معاً ان کا پاؤں مڑا اور فلاسک کا ڈھکنا بھی گرا۔ دوسرے لمحے بھاپ اڑاتی کافی تائی کی ٹانگوں پر گری اور سب آوازوں میں تائی کی چیخنے کی آواز سب سے بلند تھی۔ وہ ٹانگ پکڑے بری طرح کراہنے لگی تھیں۔ یہ اتنا غیر متوقع طور پر ہوا کہ وہ سب ہکا بکا رہ گئے۔ صوفیہ تو گویا مجسمہ بن گئی۔ سب سے پہلے عمر ماں کی طرف بڑھا' پھر چاروں بیٹیاں' توقیر کوئی ٹیوب لے آیا تھا۔ جو سار یہ نے ماں کے گھٹنے تک جھلسے ہوئے پاؤں پر لگا دی تھی۔ مگر انہیں کسی دم قرار نہ تھا۔ وہ مسلسل ہائے میں مرگئی' چیخ رہی تھیں۔

''چچی جان! ہم تو دل صاف کر کے آئے تھے مگر آپ یہ سلوک کریں گی ہم نے سوچا بھی نہ تھا۔'' سومیہ غصے میں چیختے ہوئے بولی۔

''سا..... ریہ! یہ اتفاق ہے۔'' اماں کی آواز میں تشویش تھی۔ اس دوران عمر ماں کو لے جا چکا تھا' جہاں کچھ دیر قبل قہقہے گونج رہے تھے وہاں اب سناٹے بکھرے ہوئے تھے۔ وہ چاروں خوب کہہ سن کر باہر نکل آئی تھیں۔

''بہو کہاں ہے؟'' شفیق صاحب زوبی سے بولے۔

''ان کے لیے ہمارے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے جب سے وہ گھر آئی ہیں امی کو......''

''خاموش رہو۔ رافع بیٹا! تم ان لوگوں کو لے کر جاؤ میں بہو کو لا رہا ہوں۔'' وہ اس کی بات قطع کر کے رافع سے بولے اور خود اندر بڑھ گئے۔

وہ گھر پہنچ کر اسے اور گھر والوں کو گالیاں اور کوسنے دینے لگیں۔

''بھابی! آپ کمرے میں چلیں' ابھی آنٹی آ جائیں گی ہاسپٹل سے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آئیں میں آپ کو کمرے تک چھوڑ آؤں۔'' اس صورتحال نے رافع کی شوخیاں بھی سلب کر لی تھیں وہ اسے کمرے تک چھوڑ گیا۔

وہ صوفے میں آ کر کتنی دیر تک گم صم بیٹھی رہی کیا سوچا تھا؟ کیا ہو گیا؟ غلطی پر بھی سسرال والوں کا ردعمل کتنا شدید تھا اور عمر کے چہرے پر اس

نے اس وقت بہت کبیدگی دیکھی جب تائی بلک بلک کر رو رہی تھیں اور وہ بہت خوفزدہ ہوگئی تھی۔ اٹھ کر ڈریس چینج کیا، وضو کر کے جاءنماز بچھا کر نفل پڑھنے لگی پھر وہ دعا مانگ رہی تھی جب وہ اندر آیا تھا۔

اس نے تائی کی طبیعت پوچھی تو وہ جو پہلے ہی سخت غصے میں تھا پھٹ پڑا۔

''آپ کے ہاں اس طرح مہمانوں کی عزت افزائی ہوتی ہے؟ گھر بلا کر یوں بدلے لیے جاتے ہیں؟ میں نہیں جانتا تھا پاپا اپنوں کے چکر میں گھٹیا لوگوں سے تعلق قائم کر لیں گے۔ امی کا خیال ٹھیک تھا وہ اچھی طرح جانتی ہیں آپ لوگوں کو۔'' وہ شدید غصے میں شعلے برسا رہا تھا آواز قدرے بلند تھی۔

''پلیز آپ یقین کریں وہ محض اتفاق تھا۔''

''اچھا پھر میری ماں کے ساتھ ہی کیوں اتفاقات ہو رہے ہیں؟ چچی بھی تو وہیں بیٹھی تھیں' ان پر کافی کیوں نہیں گری؟ مجھ سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جھوٹ بولنے میں کتنی فاسٹ ہو اس کا اندازہ مجھے کل ہی ہو گیا تھا۔ پاپا کی چوائس پر نفرت ہو رہی ہے مجھے' میرا فیوچر' میری لائف برباد ہو گئی ہے' میری ماں تکلیف میں ہیں میں ان کے پاس جا رہا ہوں۔'' اس کا انداز و تیور اتنے جارحانہ تھے کہ وہ سہم کر چپ رہی تھی۔

''میں بھی چلوں گی' تائی کو دیکھنے۔'' وہ قدم بڑھاتی گویا ہوئی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کی صورت ان کی تکلیف کو بڑھا دے گی۔'' وہ کٹھور پن سے کہتا گیٹ کھول کر باہر نکل گیا اور کھڑکی سے چپکی کھڑی اندر کی گفتگو سنتی ہوئی ساریہ پھرتی سے کوریڈور میں گھسی تھی۔

ایک ہفتے بعد صاعقہ بیگم بالکل ٹھیک ہو گئی تھیں اور اس سے قبل ہی اس کی ہمت' صبر و استقامت کے امتحان شروع ہو گئے تھے۔ ان ماں' بیٹیوں کے مزاج ملتے نہ تھے مگر نہ معلوم عمر کو انہوں نے کیا سکھایا کہ وہ اس سے بالکل ہی بیگانہ و لاپروا ہو گیا۔ چاروں بیٹیوں میں سے دو تو یہاں موجود رہتی تھیں' باقی دو بڑی بھی عموماً آ جاتی تھیں اور باتیں کرتی تھیں۔ گھر کے دوسرے کاموں کے لیے ملازمائیں تھیں کچن کی ذمے داری ایک ہفتے بعد ہی اس کے شانوں پر آ گئی تھی۔ وہ اسے بخوبی نبھا رہی تھی گھر میں اس نے کچن کی ذمے داری بھابی کی بحث میں پوری طرح نہ اٹھائی تھی مگر یہاں سارا کچن خود ہی سنبھالنا پڑتا جو ڈش پکانی نہیں آتی وہ خاموشی سے سیل پر اماں سے پوچھ کر نوٹ کر لیتی مگر اتنا احتیاط سے پکانے کے باوجود کوئی نہ کوئی کسر رہ جاتی اور صاعقہ کو خوب موقع مل جاتا اس کا پھوہڑ پن جتانے کا پھر اس کی اور اماں کی شاندار لفظوں میں قصیدہ گوئی کی جاتی کہ وہ کانوں میں انگلیاں ڈال لیتی تھی۔

صاعقہ اور ساریہ نے کڑی چاول پکانے کا حکم صادر کیا تھا۔ ساتھ ہی اچار گوشت بھی۔ چاول تو کئی بار پکا چکی تھی کڑی اور اچار گوشت کی ترکیب اماں سے پوچھ کر کاغذ پر لکھ لی۔ اچار گوشت کے بعد کڑی چڑھا کر وہ پکوڑوں کا بیسن باؤل میں ڈال کر اس میں ڈالنے والا مصالحہ دیکھ رہی تھی باہر سے آنے والی قدموں کی آہٹوں پر گھبرا کر ہاتھ میں پکڑا کاغذ ریک میں رکھنا چاہا وہ غلطی سے سیدھا فلیم پر گرا اور دھڑ دھڑ جلنے لگا۔ اسی دم ثوبیہ کسی کام سے اندر آئی تھی اس کی نگاہ سیدھی کاغذ پر گئی جو جل چکا تھا وہ حواس باختہ ہو کر چیخی۔

''امی! آپی! یہاں دیکھیں' کیسے تعویذ جلائے جا رہے ہیں۔'' منٹ بھر میں وہ وہاں تھیں۔

''ثوبی! غلط مت سمجھو یہ ترکیب کا غذ ہے تعویذ بھلا کہاں سے آئے گا۔'' وہ پریشانی سے بولی۔ ان کا انداز اسے بوکھلاہٹ کا شکار کر رہا تھا۔

''میں جبھی کہوں گھر میں مجھے گھبراہٹ کیوں ہونے لگی ہے۔ دل اڑا اڑا سا کیوں رہتا ہے' ہر وقت طبیعت مچلتی رہتی ہے کہ یہاں سے کہیں چلی جاؤں مجھے کیا معلوم گھر سے نکالنے کے تعویذ جلائے جا رہے ہیں۔ بس اسی دن سے میں ڈرتی تھی۔''

انہوں نے واویلا کرنا شروع کر دیا۔

''یقین کریں تائی جان! تعویذ بھلا کہاں سے آئے گا۔''

''تیری ماں کے گھر سے اور کہاں سے۔ یہ سب ہمیں گھر سے نکالنے کی سازشیں ہیں۔ جس طرح تیری ماں نے ہمیں نکالا تھا اور گھر پر قبضہ کر کے بیٹھ گئی تھی۔''

''تائی جان! آپ خوانخواہ بات بڑھا رہی ہیں' میں آپ کو اماں کی جگہ سمجھتی ہوں مگر اپنے گھر والوں کے خلاف میں پہلے دن سے اتنا کچھ سن چکی ہوں کہ اب مزید تاب نہیں ہے مجھ میں۔ آپ کو جو کہنا ہے مجھے کہیں مگر اماں کے خلاف اب ایک لفظ بھی نہیں سنوں گی۔'' ایک ماہ کے مسلسل جسمانی و دماغی' ذہنی خلفشار نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ سمجھوتوں کو ہتھیار بنا کر عمر کو خوش کرنے کی خاطر' نئے رشتے مضبوط کرنے کی خاطر' وہ اپنی سرشت کے خلاف سب کچھ بہت صبر و تحمل سے برداشت کر رہی تھی مگر جس کے لیے کر رہی تھی وہ اس سے تعلق جوڑ کر لاتعلق ہو گیا تھا۔ اسے پروانہ رہی تھی اور اب بالکل بے بنیاد الزام پر وہ خاموش رہ نہیں سکی تھی۔

''ارے...... میری ماں سے زبان چلاتی ہے میں تیرا منہ توڑ دوں گی۔'' ثوبیہ غصے سے بھری ہاتھ اٹھا کر اس کی طرف بڑھی تھی۔

''اپنی حد میں رہو ثوبی! ورنہ ہاتھ کا استعمال میں بھی جانتی ہوں۔ میری برداشت اور صبر کو تم نے میری کمزوری سمجھا ہے تم جیسے لوگوں کے دماغ میں اچھی طرح درست کرنا جانتی ہوں۔'' اس کے انداز سے ثوبیہ ٹھٹک کر رک گئی۔

''اری تو کیا ہمارے دماغ درست کرے گی' تیرے مزاج تو میں ابھی درست کرتی ہوں۔'' صاعقہ دھم دھم کرتی خطرناک انداز میں آگے بڑھیں۔

''امی...... امی! کیا ہو رہا ہے؟ کیسی آوازیں آ رہی ہیں؟'' عمر کی حیرت زدہ آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی اس کی آمد بے موقع تھی وہ گھبرا گئیں۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں؟'' وہ سیدھا کچن میں چلا آیا۔

صاعقہ نے جھٹ منہ پر دوپٹہ ڈال کر رونا شروع کر دیا۔ ثوبیہ' ساریہ نے بھی ان کی تقلید کی' اریج ان کی اداکاری دیکھتی رہ گئی۔

''ہوا کیا ہے؟'' وہ حیران پریشان کبھی ماں' بہنوں کو دیکھ رہا تھا تو کبھی چپ کھڑی اریج کو' جس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''اب ہم نہیں آئیں گے یہاں پر' بھابی کو ہمارا آنا پسند نہیں ہے اور نہ ہم میں ہمت ہے امی کی بے عزتی ہوتے دیکھنے کی۔'' ثوبیہ روتے ہوئے بولی۔

''ہم ان کی محبت میں آتے ہیں ورنہ کسے شوق ہے اس طرح روز گھر اور بچے چھوڑ کر آنے کا۔'' ساریہ کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

''میں کہاں جاؤں؟ میں ہی کانٹا ہوں' اس دن کے لیے ماں اور بہنیں گھر میں بہو و بھابی لاتی ہیں کہ وہ آئے اور سب کو نکال باہر کرے۔ میری عزت تو یہ رتی بھر نہیں کرتی ہے۔'' صاعقہ گویا دکھ سے نڈھال تھیں۔

''تم...... تم نے بدتمیزی کی امی سے؟ تم ہوتی کون ہو میری بہنوں کو یہاں آنے سے روکنے والی؟'' وہ شدید اشتعال میں اس سے مخاطب ہوا۔

''دیکھو بیٹے یہاں تعویذ جلا پڑا ہے۔ ثوبی کا پوچھنا غضب ہو گیا۔ بہو نے چوری پکڑی جانے پر اسے تھپڑ دے مارا اور ہم سے لڑنے لگی۔

''اوہ گاڈ! کچھ تو خوف خدا کریں' اس عمر میں جھوٹ بولتے......''

''شٹ اپ!'' باقی ماندہ الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔ عمر کا زوردار تھپڑ اس کے بائیں رخسار کو دھکا تا ہوا چار انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔

''اگر آئندہ تم نے زبان درازی کی کوشش کی تو زبان کاٹ دوں گا۔ چلو معافی مانگو امی اور ساریہ آپی سے۔'' اس کے انداز میں درندگی تھی۔

''ارے کیوں ہاتھ چلاتے ہو یہ میری بیٹی ہے غصہ آ ہی جاتا ہے کبھی۔'' وہ قہقہے چھپاتی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئیں۔

''تمہیں ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے تھا عمر۔'' ساریہ نے کہا۔

''بھائی! آپ کیوں ہماری خاطر اپنا گھر خراب کر رہے ہیں بھابی کی خواہش ہے تو ہم نہیں آئیں گے۔ ہمیں صرف آپ کی خوشیاں عزیز ہیں۔''

''میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں ثوبی! جو عورت کی خاطر خون کے رشتوں کو ٹھوکر مار دیتے ہیں۔ اس گھر کے دروازے ہمیشہ آپ کے لیے کھلے رہیں گے۔'' وہ ثوبیہ کو سینے سے لگا کر شفقت سے بولا اور کچن سے نکل گیا۔

''دیکھ لی اپنی اوقات! آئندہ منہ لگنے کی کوشش مت کرنا۔'' صاعقہ طنزیہ بولیں۔

''بہت ناز تھا تم کو اپنی خوبصورتی پر۔'' ساریہ کھلکھلا کر ہنسی تھیں۔

''بھائی کی زندگی میں تم جیسی نہ معلوم کتنی آئیں، کتنی گئیں وہ تمہیں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے اس گھر میں رہنا ہے تو زبان بند رکھنی ہوگی ورنہ......''

وہ تینوں جشن مناتیں وہاں سے چلی گئیں۔ عمر کے تھپڑ نے اس کی تمام طاقت سلب کر لی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی وہ سب کے سامنے ہی تھپڑ مار دے گا، ماں بہنوں کی حمایت میں ان کی اتنی فکر تھی اور اس کی پرواہ ہی نہیں۔

''آپ نے مجھے بیوی کا رتبہ دیا ہی کب ہے؟ پھر ہاتھ اٹھاتے ہوئے جھجک کیونکر آتی؟'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے وہ کمزور نہیں تھی مگر عمر کے تھپڑ نے اسے توڑ پھوڑ دیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا ساس نندوں کے سامنے اب کبھی بھی آنکھ اٹھا کر بات نہ کر سکے گی۔ عمر کے تھپڑ نے اس کی خودداری و عزت نفس کو کچل ڈالا تھا۔ وہ جو حق کے لیے اماں کے سامنے بھی بول پڑتی تھی اور بھابی سے اصل جھگڑا ہی جھوٹ و فریب کی چال چلنے پر تھا مگر اب وہ حالات کے آگے سر جھکا چکی تھی۔ آنسو بہاتے ہوئے کھانا پکانے میں مصروف ہوگئی تھی۔ اس کے پاؤں میں باپ اور تایا کے یقین کی بیڑیاں پڑی تھیں۔ دو مخالف راستوں کو ایک سمت میں لانے کے لیے اسے یونہی تختہ مشق بننا تھا۔ کھانا تیار کر کے وہ کمرے میں چلی آئی۔ سامنے بیڈ پر دراز میگزین پڑھتے ہوئے عمر نے نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمکین پانی پھر جمع ہونے لگا۔ وہ تیزی سے اٹیچڈ باتھ کی طرف بڑھ گئی۔ وضو کر کے باہر آئی تو وہ نہیں تھا یہ اس کی ناراضی کا اشارہ تھا کہ وہ اس سے خفا ہے۔ وہ ظہر کی نماز ادا کر کے لیٹ گئی۔ کھانے کا وقت گزر چکا تھا اسے کسی نے پوچھنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔ عمر کو بھی اس کی کمی محسوس نہ ہوئی تھی؟ ایک نئے احساس نے اذیت سے دوچار کر دیا تھا۔

خاصا ٹائم گزر گیا تھا وہ یونہی آنکھیں بند کیے لیٹی رہی ثوبیہ کھانا لے کر آئی تھی۔

''لو......کھاؤ۔'' وہ ٹرے اس کے آگے پٹختی ہوئی بولی۔

''لے جاؤ واپس......نہیں کھانا مجھے کچھ۔'' وہ چڑچڑے پن سے کہہ اٹھی۔

''ہمیں کونسا شوق ہے تمہیں کھلانے کا' بھائی کے کہنے پر لانا پڑا۔''

''مجھے ضرورت نہیں ہے میں مرجانا چاہتی ہوں۔'' وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔

''دیکھیں نہ بھائی! میری اتنی منتوں پر بھی بھابی کھانا نہیں کھا رہی ہیں۔'' وہ اندر آتے عمر سے مخاطب ہوئی تھی۔

''ان کی بھابی بھی نیچے آئی ہوئی ان کا انتظار کر رہی ہیں۔''

''بھا......بھابی آئی ہیں۔'' وہ آنسوؤں سے تر چہرہ اٹھا کر گویا ہوئی۔

''جی......کھانا کھا کر جلدی سے آئیں' وہ بار بار پوچھ رہی ہیں۔'' وہ چلی گئی۔ وہ کتنے غلط وقت پر آئی تھیں۔ اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح وہ چار انگلیوں کا نشان رخسار سے غائب کرے؟ یہ نشان اس کی ازدواجی زندگی کی ناآسودگی کے بھرم کو کھوکھلا ظاہر کر رہا تھا اپنی فکر میں وہ عمر کی موجودگی بھی فراموش کر چکی تھی جو اس کے اضطراب کو بغور دیکھ رہا تھا۔ خوب رگڑ رگڑ کر چہرہ دھونے کے باوجود گلابی مائل سفید

رنگت پر وہ سرخ نشان واضح ہوگیا تھا۔ گریہ سے سرخ آنکھوں کی سوجن پر بھی کوئی فرق نہ تھا۔ وہ جھنجلاتی باہر آ گئی اور بال برش کر کے کمرے سے نکلنا ہی چاہتی تھی کہ عمر نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کھانا کھاؤ...... پھر جانا۔'' وہ اکھڑ لہجے میں بولا۔

''بھوک نہیں لگ رہی۔ ہاتھ چھوڑیں۔'' ضبط کے باوجود آواز بھیگ گئی تھی۔

''چھوڑ دوں گا۔ پہلے کھانا کھاؤ۔'' وہ اس کے آنسوؤں سے متاثر ہوا تھا۔

''بھوک نہیں لگ رہی کہا نا۔'' اس نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا تھا آج وہ پرانی والی ایرج بن چکی تھی جو ضدی و ہٹ دھرم تھی۔ عمر جو اس کے گال پر اپنے تھپڑ کا نشان دیکھ کر نادم ہونے لگا تھا۔ اس کا اس طرح جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر جانا از سرنو اشتعال میں مبتلا کر چکا تھا۔

سیٹنگ روم سے قہقہوں و باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں وہ انہیں آج ہونے والے جھگڑے کا بتا رہی تھیں۔ جواباً بھابی کی کل کل کرتی ہنسی اسے سن کر گئی۔ اس کا نشیمن کسی غیر کے نہیں اس کے گھر کے چراغ سے ہی جل رہا تھا وہ مجبوری مسکراہٹ لبوں پر سجائے اندر آ گئی۔ اسے اچانک اندر دیکھ کر وہ ایکدم خاموش ہوگئیں۔ وہ بھابی کو سلام کرتی ان کے قریب بیٹھ گئی۔

''تم نند سے باتیں کرو، ہم چلے۔'' صاعقہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

''آپ کیوں جا رہی ہیں؟ بیٹھیں۔'' بھابی نے مروت سے کہا۔

''بہو کے میکے والے آئیں تو ساس نندوں کا بیٹھنا مناسب نہیں ہوتا۔'' امی کے بجائے ساریہ نے کہا اور وہ چلی گئیں۔

''یہ تمہارے گال پر نشان کیسا ہے؟ کیا تم رو تی رہی ہو؟'' ان کے باہر جاتے ہی وہ سرگوشیانہ انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

''ابھی بتا تو رہی تھیں تائی جان، عمر نے زبان درازی پر مجھے مارا ہے' ثوبی اور ساریہ آپی نے پوری اسٹوری سنائی ہے آپ کو۔'' وہ عام سے انداز میں بولی اور بھابی سے مارے جھینپ کے فوراً کوئی بات نہ بن سکی۔ کچھ توقف سے بولیں۔

''اپنی غلطی کون بتاتا ہے تم اصل بات بتاؤ کیا ہوئی تھی میں دیکھنا تو قیر سے کیسے ان کے دماغ ٹھکانے لگواتی ہوں' تمہیں کسی نے کبھی پھولوں سے نہ چھوا اور یہاں عمر نے تمہارے چہرے پر نشان ڈال دیا' ماں بہنوں کی چڑھائی میں آ کر' ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں جو یہ سب شروع ہوگیا۔''

''بڑا احسان ہوگا آپ کا مجھ پر' گھر میں کسی کو بھی کچھ مت بتایئے گا' یہ تو ہر گھر میں ہوتا ہے۔ گھر گھر کی کہانی ہے یہ پھر عمر نے مارا تو کوئی بات نہیں' پیار بھی تو سب سے زیادہ کرتے ہیں۔'' اس نے اپنے لہجے کو کمزور نہیں پڑنے دیا۔

''مجھے خوشی ہوئی یہ جان کر کہ تم نے وقت کے ساتھ چلنا سیکھ لیا ہے۔''

''بے خبری سے آگہی تک کا سفر صرف ایک رات میں طے کیا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے جو علم ہم برسوں نہیں سیکھ پاتے' وہ وقت کبھی ایک پل میں سکھا دیتا ہے۔''

''کیا سوچ رہی ہو؟ چلو تیار ہو جاؤ' میں تمہاری ساس سے اجازت لے چکی ہوں۔ پرسوں اماں' ابا جدہ جا رہے ہیں پھر ایک ماہ بعد عمرہ کر کے لوٹیں گے۔''

وہ اس خبر سے پہلے ہی آگاہ تھی۔ عمر نے اندر آ کر بھابی کو سلام کیا تھا وہ بیگ لینے کمرے میں آ گئی۔ تیار ہو کر آئی تو وہ وہاں چائے کے ہمراہ لوازمات سے ٹیبل بھری ہوئی تھی۔ ثوبیہ پلیٹوں میں ڈال کر سب کو سرو کر رہی تھی۔

''ماشاءاللہ میری بہو پر ہر رنگ کھلتا ہے۔ آ کر یہاں بیٹھو میرے پاس۔'' صاعقہ نثار ہونے والی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اپنے قریب بیٹھنے

کا اشارہ کرنے لگیں۔ وہ خاموشی سے ان کے قریب بیٹھ گئی۔

''تم چلی جاؤ گی' گھر سونا سونا ہو جائے گا۔'' عمر کے سامنے وہ اسی طرح پیش آتی تھیں۔ اس وقت بھی عمر کی نظریں اس پر تھیں میرون کلر کے کامدانی کے سوٹ میں میچنگ لپ اسٹک اور ہلکی سی گولڈ کی جیولری میں اس کا افسردہ حسن کچھ زیادہ ہی نکھر گیا تھا اس کا دل کہہ رہا تھا اسے روک لے نہ جانے دے۔

''ہماری بھابی ہمیں اتنی اچھی لگتی ہیں کہ ہم روز آ جاتے ہیں۔'' ثوبیہ نے لوازمات سے بھری پلیٹ اس کی جانب بڑھا کر محبت سے کہا۔

''کھالو بہو! کھانے کے ٹائم ثوبی تمہیں بلانے گئی تھی مگر تم سو رہی تھیں۔ تمہارے آرام کے خیال سے نہیں اٹھایا۔ عمر نے بھی تمہاری وجہ سے دو تین لقمے ہی لیے تھے۔ اس کا انکار سن کر صاعقہ نرمی سے گویا ہوئیں۔

عمر کے آج کے سلوک نے اس کی بھوک پیاس اڑا دی تھی پھر وہ صاف دل وشفاف سوچوں والی لڑکی تھی' منافقت و موقع پرستی اس کی سرشت میں نہ تھا۔ اسے بھوک نہ تھی۔ اس نے ان کے کہنے کے باوجود پلیٹ کو ہاتھ نہ لگایا۔ عمر جو اسے شام کو ہی واپسی لانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ماں بہنوں کے پیار بھرے رویئوں کے جواب میں اس کا سرد و سپاٹ رویہ اسے پھر متنفر کر گیا۔

''اریج! چائے تو لے لو' ریلی کوئی اتنے پیار سے زہر بھی پلائے تو میں پی لوں' سارہ کتنی محبت سے اصرار کر رہی ہیں۔'' اس پر تنقید کرنے کا موقع بھابی نے یہاں بھی ضائع نہ کیا۔ عمر کے چہرے پر غیر ارادی نگاہ اس کی پڑی تو اس کی غصے سے سرخ آنکھیں دیکھ کر اس نے فوراً مگ پکڑ لیا۔

○○○

صوفیہ' سارہ گھر آئی ہوئی تھیں۔ سب بہت گرمجوشی سے ملیں۔ اماں کتنی دیر تک اسے سینے سے لگائے خاموش آنسو بہاتی رہیں پھر اس کی پیشانی چوم کر بولیں۔

''تجھے میں پتھر سمجھتی رہی' تو تو ہیرا نکلی اریج۔''

ابا اس کے سر پر ہاتھ رکھے کتنی ہی دعاؤں سے نوازتے رہے۔ توقیر وہی محبت وشفقت سے ملے اور خوشخبری سنائی کہ وہ جلد ہی کار لے رہے ہیں۔ اگر وہ پہلی والی لاابالی و بے عقل سی اریج ہوتی تو فوراً شکوہ کرتی کہ اس کے گھر سے نکلتے ہی کار آ رہی ہے مگر اب وہ اریج تو فیق نہیں' اریج عمر تھی مسکراتے ہوئے بھائی کو پیشگی مبارکباد دی تھی۔

''تمہارے بھائی مان نہیں رہے تھے وہ تو میں نے راضی کیا۔ یہ کہہ کر کہ اریج کے سسرال میں دو تین گاڑیاں ہیں اور ہمارے پاس ایک کار بھی نہیں۔ کہیں تمہاری سبکی نہ ہو تب جا کر یہ مانے ہیں۔'' بھابی نے فوراً صفائی دی تھی۔

اسے اپنے رخسار پر پڑے نشان کے متعلق کئی بہانے وجھوٹ بولنے پڑے تھے مگر اماں کی آنکھیں جاتے وقت تک بھیگی تھیں۔ ماں سے بیٹیوں کا دکھ کب چھپتا ہے۔ ماں تو وہ ہستی ہے جو اولاد کے سکھ و دکھ بن کہے جان جاتی ہے۔

وہاں سے کوئی ملنے نہیں آیا تھا۔ رافع کی زبانی معلوم ہوا عمر کسی پراجیکٹ کے سلسلے میں چند دنوں کے لیے لندن گیا ہوا ہے تایا پہلے ہی کئی ہفتوں سے جرمنی میں تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں ہمیشہ کی طرح رافع گھر کی ذمے داری اٹھائے ہوئے تھا۔ عمر کے جانے کا سن کر وہ خوب روئی تھی۔ ان کے درمیان کشیدگی ضرور تھی مگر دیار غیر جانے سے قبل وہ ملنے نہ آ سکا تھا کم از کم فون تو کر سکتا تھا؟

اماں' ابا کے جانے کے بعد گھر ویران سا ہو گیا تھا۔ صوفیہ اور سارہ بھی ایک ہفتہ رہ کر جا چکی تھیں۔ بھابی بہت کم تنہائی میں اس سے مخاطب ہوتی تھیں۔ بھائی سے شام میں آفس سے آنے کے بعد ملاقات ہوتی تھی مگر اب وہ ان سے پہلے کی طرح بے تکلفی سے پاس بیٹھ کر گفتگو نہ کر پاتی

تھی۔

اس کی کیفیت عجیب تھی۔ وہ عمر سے خفا بھی تھی مگر وہ ہر پل اس کے حواسوں پر سوار رہتا تھا۔ شادی کو ایک ماہ سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود ان میں پہلے جیسا ہی فاصلہ تھا۔ وہ صبح کا سائٹ پر گیا کبھی شام کو تو کبھی رات کو لوٹتا۔ دروازے میں ہی کبھی ماں تو کبھی بہنیں گھیر لیتیں پھر ایک ڈیڑھ گھنٹہ وہ ان کی سنگت میں گزار کر آتا تو اس کا موڈ آف ہوتا' وہ فریش ہو کر آرام کرتا اور دوستوں کی طرف نکل جاتا تھا' پھر کبھی کھانے سے پہلے یا بعد گھر میں آتا تو پھر نہ معلوم صاعقہ بیگم کونسے قصے چھیڑ دیتیں جورات گئے ختم ہوتے اور وہ جو سارے دن کی تھکی ہوئی ہوتی تھی۔ انتظار کرتے کرتے سو جاتی اور وہ اس کے انتظار کی خوش فہمی دل میں لیے آتا اور اسے سوتا دیکھ کر پیچ و تاب کھا کر سو جاتا۔ دونوں انا کے جال میں پھنسے ایکدوسرے کی پہل کے انتظار میں لاتعلق سے ہوئے تھے۔ صاعقہ کی تمام چالیں کامیاب ہو رہی تھیں۔

''لایئے بھابی! میں آلو چھیل دوں۔'' وہ کچن میں آ کر بولی۔

''ہاں..... لو دیر ہو گئی ہے آج تو' توقیر آتے ہی ہوں گے۔'' وہ چھری اسے پکڑا کر سالن بھوننے لگیں۔ وہ بڑی نفاست سے الو کے چھلکے اتارنے لگی۔

''شکر ہے تمہیں بھی سسرال جا کر کچن سے دلچسپی ہو گئی۔ بڑی اداس رہنے لگی ہو؟ ہاں بھئی ہونا بھی چاہیے' سسرال والوں نے پلٹ کر خبر ہی نہ لی اور عمر کو بھی ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا ہے گئے ہوئے اس نے بھی نہ کال کی' نہ سیل کی۔ تمہاری حالت تو ایسی ہونی ہی چاہیے۔ تمہاری جگہ میں ہوتی تو پاگل ہو چکی ہوتی مارے وہموں کے' دیکھو نہ' وہ گیا بھی تو کہاں لندن' توبہ..... بہت ہی آزاد و بدذات معاشرہ ہے' اچھے اچھوں کا ایمان کمزور پڑ جاتا ہے۔ اس ماحول میں۔ پھر وہاں کی وہ گوری چمڑی والی میمیں ایشیائی مردوں پر ایسی مرتی ہیں جیسے گڑ پر مکھیاں عمر تو ہیں بھی خوبصورت و ہینڈسم پھر دولت مند اور جوان ہیں۔ ایسے مردوں کو وہ جلد قابو میں کر لیتی ہیں۔ ایک بات بولوں گی' تم برا مانو یا بھلا..... عمر کے چال چلن مجھے درست نہیں لگتے۔'' وہ بت بنی اریج کے آگے سے چھلے ہوئے آلو اٹھا کر سالن میں ڈالتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''وہ تمہیں چھوڑ کر مزے سے چلا گیا' اگر محبت کرتا تو کسی بھی بہانے سے ہنی مون کے لیے ساتھ لے جاتا..... مگر وہی بات کہ جو مرد دوسری نیت سے جائے وہ اپنے ساتھ کیوں پاؤں کی زنجیر لے جائے؟ اب تک اسے آ جانا چاہیے تھا۔''

''ارے کیا ہوا؟'' اس کی خاموشی پر پلٹ کر دیکھا تو وہ دھواں دھواں چہرہ لیے کھڑی تھی اور دوسرے لمحے وہ بھاگ کر ان سے لپٹی رو رہی تھی۔ ان کی باتیں پہلی بار اسے بالکل سچ لگیں۔ ان کا ایک ایک لفظ حقیقت کی ترجمانی کرتا محسوس ہوا۔ اسے لگا بھابی سے بڑھ کر کوئی ہمدرد نہیں ہے۔

''اریج!'' بھائی کی آواز پر اس نے تیزی سے چہرہ دوپٹے سے رگڑا تھا۔

''عمر کی کال آئی ہے وہ اریج کو لینے آ رہا ہے۔ اریج! تم تیار ہو بیٹا۔''

وہ ہاتھ میں پکڑے کئی شاپرز بھابی کی طرف بڑھاتے ہوئے دونوں سے مخاطب ہوئے۔

''عمر..... کب آئے بھائی؟'' اس کا دل دھڑکنے لگا نہ معلوم خوشی سے یا......

''وہ رات کو آیا ہے اسی وقت وہ تمہیں لینے آ رہے تھے مگر تم سو چکی تھیں اس لیے تمہاری بھابی نے منع کر دیا کہ تم بے آرام ہو گی' اب عمر نے آفس فون کیا ہے۔''

توقیر نے عمر سے کی گئی تمام گفتگو دہرا دی۔ وہ بھیگی آنکھوں سے بھابی کو دیکھے گئی۔ مبالغہ آرائی' جھوٹ اور مکاری میں وہ کتنی پستیوں میں جا گری تھیں۔ دکھ سے اس کا دل بھر گیا۔ وہ تو چند لمحے قبل صدق دل سے ان کی زیادتیاں معاف کر چکی تھی۔

''کیا کروں اماں کے جانے کے بعد تمام ذمے داریاں میرے اوپر آ گئی ہیں۔ دماغ الجھ کر رہ گیا ہے۔ تمہیں بتانا یاد ہی نہیں رہا اور آپ بھی

کمال کرتے ہیں۔ پہلی بار عمر اریج کو لینے آ رہا ہے کھانے کا ٹائم ہے گھر میں بھی کچھ خاص نہیں بنا ہے کیا کروں؟ عزت کا سوال ہے؟'' وہ بری طرح سٹپٹائی ہوئی تھیں۔ انہیں گمان بھی نہ تھا کہ اس طرح ان کی غلط بیانی دفریب کا پردہ چاک ہوگا یا عمر یہاں کی بجائے توقیر کے آفس فون کر کے اجازت لیں گے۔

''فکر مت کرو میں بازار سے بہت کچھ لے آیا ہوں' تم پڈنگ اور شیر خورمہ بنالو رس ملائی اور ربڑی میں لے آیا ہوں۔'' ان کا مسئلہ حل ہوگیا۔ اس نے ویلوٹ کے بلوسوٹ پر ریڈ' گولڈن اور بلو کے امتزاج کا دوپٹہ اوڑھا تھا۔ بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹ کر گلاب کا پھول لگایا تھا۔ ہونٹوں پر ریڈ لپ اسٹک نے چہرے کو روشن کر ڈالا تھا۔ کانوں میں دوپٹے کے میچنگ کے بڑے ٹاپس تھے۔ گلے میں عمر کا رونمائی میں دیا ہوا ڈائمنڈ نیکلس ہر وقت رہتا تھا اور دونوں ہاتھوں میں طلائی چوڑیاں بھی۔ وہ تیار ہو کر باہر آئی تو اسی لمحے باہر سے کار کے ہارن کی آواز سنائی دی تھی۔ بھابی گیٹ کی طرف گئی تھیں وہ بھی پیچھے آ کر پردے کی اوٹ میں ہوگئی۔ اس نے انہیں سلام کیا تھا مگر کار سے نہیں اترا تھا۔

''اندر تو آؤ نا' کھانا تیار ہے ہم کب سے انتظار کر رہے ہیں۔''

''ایم سوری بھابی! میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں' کھانا پھر کبھی کھاؤں گا۔ آپ اریج کو بلادیں پلیز۔'' اس نے باوقار لہجے میں معذرت کرتے ہوئے کہا۔ بھابی کے بے حد اصرار پر اس نے مجبوری بیان کی کہ ان کی کسی اہم ترین پراجیکٹ کے سلسلے میں صوبائی منسٹر سے اپائنٹمنٹ ہے جس کے لیے اسے فوراً جانا تھا۔ بھائی ہاتھ لے رہے تھے' وہ بھابی کو خدا حافظ کہتی ہوئی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی جس کا دروازہ پہلے سے وا تھا۔

وہ بہت رش ڈرائیونگ کر رہا تھا' اس کے چہرے پر بے حد سنجیدگی تھی۔ سرخی مائل ہونٹ مضبوطی سے پیوست تھے۔ وہ جو اس کی بدگمانیوں' کج ادائیوں کا شکار تھی' چاہنے کے باوجود وہ پہل نہ کر سکی' اضطراری انداز میں انگلیوں اور ناخنوں کا جائزہ لیتی رہی۔ اس کے ملبوس سے نکلتی فرنچ پرفیوم کی مہک سے اس کے احساسات عجیب ہو رہے تھے۔

''جب میکے سے دل نہیں بھرا تھا تو کیوں شادی کے لیے حامی بھری تھی؟'' وہ اس کی جانب دیکھے بغیر کاٹ دار لہجے میں مخاطب ہوا۔

''نیند کی اسقدر شیدائی ہو' جب بھی کال کی سوتی ہوئی ملتی ہو یا گھر سے غائب۔ لندن جانے سے پہلے کال کی بھابی نے کہا سو رہی ہو' لندن جا کر ہزار بار کالز کیں معلوم ہوا سو رہی ہو۔ اٹھایا جائے گا تو سر میں درد ہو جائے گا۔ کل ایئر پورٹ سے کال کی کہ ساتھ لیتا ہوا چلا جاؤں گا۔ بھابی نے خبر دی سوگئی ہو۔ میں نے غصے میں سیل آف کر دیا۔ بھابی کہہ رہی تھیں ایک ہفتے بعد آؤ گی' ابھی میکے سے دل نہیں بھرا ہے نشہ کرتی ہو وہاں جا کر؟ میری کوئی پرسنج' کوئی ویلیو نہیں ہے تمہاری نظروں میں؟ ایجوکیٹڈ ہو' اسمارٹ ہو' میرڈ لائف کی کیا ریلیشن شپ ہوتی ہے اس سے آگاہ نہیں ہو؟ یا صرف زبان چلانے پر ہی تمام انرجی ویسٹ کر دی ہے؟'' کچھ لمحوں قبل چھائی خاموشی طوفان کے آنے سے قبل والی خاموشی تھی۔ اب وہ بھرے بادلوں کی طرح برستا چلا گیا تھا۔ وہ شاکڈ سی سب سنتی چلی گئی نامعلوم بھابی اس کے معاملے میں اتنی کیوں گرگئی تھیں کہ اپنے رتبے و وقار کے ساتھ ساتھ یہ بھی بھول بیٹھیں کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے' سچ ہر حال میں اپنا آپ ثابت کرتا ہے' وہ سب بھلا کر اسے ڈبل کراس کرتی رہی' وہاں ساس ننندوں سے خبروں کا لین دین کر کے یہاں اسے عمر سے بدظن کرتی رہیں اور عمر کو اس سے اکثر راتوں کو اس نے فون کی گھنٹیاں سنی تھیں اور اس کے اٹھانے سے قبل وہ اٹھالیا کرتی تھیں۔ سیل رکھنے کی وہ عادی نہ تھی۔

''اب کس طرح خاموش بیٹھ گئی ہو جیسے بولنا نہیں جانتیں؟'' زبان تمہاری صرف امی اور میری بہنوں کے سامنے چلتی ہے؟ امی لینے گئیں' آپی لینے آئیں' تم نے انہیں بے عزت کیا اور کہا کہ تمہارا تعلق صرف مجھ سے ہے اگر میں گھر میں موجود نہیں ہوں تو تمہارا وہاں کیا؟'' عمر نہ معلوم کیا کیا کہہ رہا تھا اس نے اپنا چکراتا سر دونوں ہاتھوں سے تھاما تھا کہ کوئی فرار کا راستہ ہی دکھائی نہ دے رہا تھا۔ آگے کھائی' پیچھے کنواں' اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔

''چیٹنگ ......زہر لگتی ہے مجھے اوور ایکٹنگ کرتی عورتیں۔'' وہ غرایا۔ وہ وحشتوں کے صحراؤں میں بھٹکنے لگی' برابر میں ڈرائیونگ کرتا شخص قصور وار ہوتے ہوئے بھی جج بنا سارے الزامات اس کے کھاتے میں ڈال رہا تھا۔ اتنے دنوں کی جدائی نے بھی اس پر گری بدگمانی و کھٹور پن کی برف نہ پگھلائی تھی۔ بیوی کی پریشانی و بے بسی اسے اداکاری لگتی تھی اور ماں' بہنیں اس کے ظلم کا شکار۔

''اپنی ماں' بہنوں کی اداکاری کبھی آپ کو اوور فیل نہیں ہوئی؟'' اس بار وہ بولی تو اس کے لہجے میں کڑواہٹ تھی۔

''بکواس مت کرو۔'' اس نے قہر آلود نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ' سچائی آپ کو بکواس لگتی ہے اور بکواس......سچ......''

''مجھے دوبارہ ہاتھ اٹھانے پر مجبور مت کرو' تمہاری اصلیت میں جانتا ہوں۔''

''کیا جانتے ہیں بتایئے؟'' وہ سمجھوتہ فراموش کر بیٹھی۔

''تم سے پہلی ملاقات بھولا نہیں ہوں' حرف بہ حرف یاد ہے مجھے وہ سب' پاپا نے جب مجھ سے اپنی خواہش ظاہر کی تو میں راضی نہ تھا مگر پاپا کے خواب توڑنے کا مجھ میں حوصلہ نہ تھا اور دل بھی ایک جاہل و بدتمیز لڑکی کو قبول کرنے پر رضامند نہ تھا مگر میں نے خود کو یہ سوچ کر بہلا لیا کہ وہ سب مس انڈر اسٹینڈنگ ہو سکتی ہے۔ میری بجائے وہاں کسی اور کو آنا ہوگا۔ مگر اب اندازہ ہوا وہ سب میرا وہم نہیں حقیقت تھی۔ تم ہو ہی ایسی بدتمیز' بدزبان وسنگدل لڑکی!''

وہ پھر کچھ نہ بولی۔ گھر آ گیا وہ اس سے پہلے اتر کر اندر چلا گیا۔ وہ اندر آئی تو چاروں نندیں موجود تھیں' تائی نے اٹھ کر والہانہ انداز میں استقبال کیا۔ نندیں واری صدقے گئیں۔ وہاں موجود رافع بہت احترام سے ملا۔

عمر بھانجوں' بھانجیوں کو پیار کرنے میں مصروف تھا۔ لاؤنج میں دو سوٹ کیس کھلے پڑے تھے جن سے نکالا گیا ڈھیروں سامان کارپٹ پر بکھرا تھا وہ ماں بیٹیاں گفٹس دیکھنے میں مصروف تھیں۔ رافع اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔

''زوبی ڈیئر! جلدی سے کھانا لگاؤ مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' اس کی آواز پر حیرت سے دیکھا۔ ساتھ ہی ان ماں بیٹیوں کے چہروں پر بھی استعجاب در آیا تھا۔

''سسرال پہلی دفعہ گئے ہو وہاں کسی نے نہیں پوچھا؟'' صاعقہ مسکرا کر بولیں۔

''شہرین بھابی بے حد اصرار کر رہی تھیں میں خود نہیں رکا کہ دوسری فار میلیٹیز میں میں لیٹ ہو جاؤں گا۔'' وہ ان کی مسکراہٹوں کی معنی خیزیاں کیسے پہچان سکتا تھا۔

زوبی نے وہیں سینٹر ٹیبل پر کھانا لگا دیا تھا وہ کھانے لگا۔

''بھائی جان! سب کے گفٹس پر نام لکھا ہے مگر ان گفٹس پر کسی کا نام نہیں ہے یہ کس کے ہیں؟ ساڑی' میک اپ کٹ' پرل کا سیٹ کس کے لیے ہیں؟''

''نام نہیں لکھا تو سمجھ جاؤ یہ سب بھابی کے لیے ہیں۔'' رافع نے کہا۔

''ساڑی کا کپڑا کتنا سوفٹ ہے' مہرون کلر پر ایمبر ائیڈری کتنی زبردست ہے۔''

''پرل میں تو ہیروں سے زیادہ چمک ہے میں بھی خریدوں گی ایسا سیٹ۔''

''بھائی! میرے لیے بھی لاتے ایسی کٹ اس کمپنی کی پروڈکٹس یہاں نہیں ملتیں۔''

''آپ کو پسند آ رہی ہیں آپ لوگ لے لیں' اریج کے لیے بعد میں آ جائیں گی۔'' وہ کھانا کھا کر اٹھ چکا تھا کہتا ہوا باہر چلا گیا' رافع کمرے میں

چلا گیا۔

''توبہ کیسے نکھٹے لوگ ہیں داماد پہلی دفعہ گھر گیا اور ایسے ہی سوکھے منہ ٹرخا دیا حد ہوتی ہے بے غیرتی کی بھی۔'' میدان صاف ہوتے ہی امی اسے گھورتے ہوئے گویا ہوئیں پھر بیٹیاں بھی شروع ہوگئی تھیں۔ اس نے خود کو پتھر بنالیا۔ انہوں نے اپنے گفٹس سمیٹتے ہوئے اس کے گفٹس بھی اپنے قبضے میں کر لیے تھے۔ اسے کوئی ملال نہیں ہوا' وہ کون سا اس کے لیے محبت سے لایا تھا۔ اگر اس کی چاہتوں میں خلوص ہوتا تو وہ انہیں کیوں لینے دیتا۔

وہ کمرے میں آ گئی بلا مقصد وہ ڈیکوریشن پیسز کو ترتیب دیتی رہی پھر عشاء کی نماز پڑھنے لگی۔ رات تیزی سے گزرنے لگی۔ عمر کا پتہ نہ تھا۔ رافع بھی آج خلاف عادت بہت خاموش تھا ورنہ وہ کچھ وقت اس کی باتوں میں گزار لیتی۔ بارہ بج چکے تھے عمر نہیں آیا تھا اسے بھوک کا احساس ستانے لگا۔

رات سے بھابی کی باتوں نے اس کی بھوک پیاس اڑا رکھی تھی۔ صبح کا ناشتہ دوپہر کا کھانا اس نے برائے نام ہی کھایا تھا اور اب اس کے انتظار میں نہ کھا سکی تھی۔ وہ پرواکئے بنا خود کھا کر چلا گیا تھا گھر میں بھی سب کھا چکے تھے۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اس کے معدے میں اینٹھن بڑھتی جارہی تھی اور اسے جسم بے جان محسوس ہونے لگا وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے صوفے پر ہی لیٹ گئی۔ اسے محسوس ہوا بھوک کی مار ہر مار سے زیادہ بھاری ہوتی ہے تب ہی لوگ کیا کچھ نہیں فروخت کر دیتے حتیٰ کہ عصمت بھی۔

نہ معلوم کس ٹائم بھوک سے لڑتے لڑتے وہ سوگئی۔ آنکھ کھلی تو وہ بھی برابر رکھے صوفے پر بے خبر سو رہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے نہ معلوم وہ کس وقت آیا تھا؟ نیند میں ڈوبا ہوا اس کا چہرہ کتنا دلکش و وجیہہ لگ رہا تھا۔ سنگدلی و بے حسی سے صاف۔

''ہم لڑکیاں بھی کتنی بے وقوف وخوابوں میں رہنے والی ہوتی ہیں جو جیون ساتھی کے روپ میں خوبصورت واسمارٹ شخص کی خواہشمند ہوتی ہیں۔ کوئی مجھ سے پوچھے یہ خوبصورت چہرہ رکھنے والے اندر سے کتنے سفاک اور بے رحم ہوتے ہیں یہ کند چھری سے ذبح کرتے ہیں اور تڑپنے بھی نہیں دیتے۔ آنسو اس کی آنکھوں میں آ گئے بھوک کی تڑپ نے اسے نڈھال کر دیا۔ معدے میں ایکدم شدید درد کی لہر سی اٹھی اور وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے کراہنے لگی۔ اس کی کراہ سے عمر کی آنکھ کھلی تھی۔ اسے بے چین دیکھ کر ایک جست میں اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہوا پریشانی سے دریافت کرنے لگا۔

''اریج......اریج! کیا ہوا؟'' اس کا زرد چہرہ' خشک ہونٹ اور بند ہوتی آنکھوں سے بہتے آنسو متوحش کر گئے تھے۔

مسلسل ذہنی وروحانی کشمکش نے اسے پہلے ہی ادھ مرا کر دیا تھا اور رہی سہی کسر بھوک نے پوری کر دی وہ بیہوش ہوگئی تھی۔ عمر اسے بازوؤں میں اٹھا کر باہر نکلا تو رافع جو کسی کام سے باہر آیا تھا وہ دوڑ کر اس کے پاس آیا اور اس کے کہنے پر کار نکالی تھی۔ ہاسپٹل تک پہنچتے پہنچتے اس کی دل کی دھڑکنیں ڈوبتی ابھرتی رہی تھیں۔ وہ دیوانوں کی طرح رافع کی موجودگی کی پرواہ کئے بغیر اس کے بیہوش وجود کو بانہوں میں متاع حیات کی طرح سنبھالے ہوئے اس کے لیے دعائیں مانگتا رہا تھا۔

ہاسپٹل کی ایمرجنسی میں اسے فوری ٹریٹمنٹ دی گئی۔ اسے نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ اس کی حالت بہتر نہ تھی۔ ڈاکٹرز نے اس سے ملنے کی اجازت نہ دی تھی۔ دوسری بات جو ڈاکٹر نے کی وہ اس کے خالی معدے کی تھی۔

وہ سر پکڑ کر بیٹھتا چلا گیا تھا۔ کسی کتاب میں پڑھا ہوا وہ قصہ اسے یاد آنے لگا کسی نجومی نے اپنی موت کی پیشن گوئی کی تھی کہ وہ بادشاہ کے محل میں فاقوں سے مرے گا اور کسی دن بادشاہ شکار پر چلا گیا اور وہ لڑکا محل کے کمرے فاقوں سے مرگیا کہ کسی کو یاد ہی نہ رہا تھا وہ لڑکا کمرے میں بند رہ گیا ہے۔

''عمر بھائی! پریشان مت ہوں' بھابی ٹھیک ہو جائیں گی۔'' رافع نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔

''آج میں نے بہت کچھ کہا ہے اسے' بہت ستایا ہے۔'' وہ جیسے خود سے مخاطب تھا۔ رافع اس کے قریب ہی بیٹھا رہا تھا۔

''بھابی بہت اچھی ہیں' نیک اور صابر' اس نفسانفسی کے دور میں ایسی تابعدار اور اطاعت شعار بہو اور بیوی کہاں ملے گی۔ مجھے بہت دکھ وافسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے۔'' وہ کچھ توقف کے بعد آہستگی سے بولا۔

''خالہ جان اور چاروں بہنوں نے بھابی کو قبول نہیں کیا ہے' وہ سیاسی گیم کھیل رہی ہیں آپ کے ساتھ۔''

''رافع! تمہیں معلوم ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟'' اس کے لہجے میں سختی در آئی۔

''جی ہاں! بھابی غلط نہیں ہیں' گھر والے غلط کر رہے ہیں۔''

''فار گاڈ سیک! میں ڈسٹرب ہوں' مزید مت کرو۔''

''عمر بھائی! بھابی زندگی وموت کی کشمکش میں مبتلا ہیں اگر انہیں کچھ ہو گیا تو...... یہ قتل ہوگا جس میں ان کے ساتھ آپ بھی شامل ہوں گے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ آپ تو ملک ملک گھومے ہیں۔ بے شمار لوگوں سے ملتے ہیں آپ کو ابھی تک لوگوں کی شناخت نہیں ہوئی؟ ساری بات اعتماد کی آ جاتی ہے۔ غیروں سے تعلقات استوار کرنے سے قبل ہم خوب چھان بین کرتے ہیں کہ اپنوں سے دھوکے وفریب کی توقع نہیں ہوتی ہے مگر اس دور میں دھوکا وفریب ہمارے اپنے ہی دیتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے آ کر اریج کی نئی زندگی کی نوید دے دی تھی مگر اس سے ملنے کی اجازت نہ دی۔ دونوں نے ہی سجدہ شکر ادا کیا تھا۔

''اگر آپ بھابی سے محبت کرتے ہیں تو ان کو اس منافقت بھرے بے حس ماحول سے نکال کر کہیں دور لے جائیں ورنہ برا ہوگا۔''

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے رافع! امی اور وہ چاروں اریج پر خوب جان چھڑکتی ہیں میں نے ہزار بار نوٹ کیا ہے۔''

''وہ آپ کو دکھانے کے لیے ہی تو ہوتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھابی سے اتنی نفرت کرتی ہیں کہ ان پر تھوکنا بھی پسند نہ کریں اس سے بڑھ کر بھی نفرت کی جا سکتی ہے کسی سے۔''

''میں نہیں مان سکتا میں یہی کہوں گا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وہ پیشانی کو ہاتھ سے رگڑتے ہوئے متذبذب انداز میں گویا ہوا۔

''آپ کو ماننا ہوگا بھائی! میں نے آپ کی عدم موجودگی میں ساری جاسوسی کی ہے۔ یہاں خالہ جان اور ساریہ آپی وغیرہ نے انہیں قبول نہیں کیا وہاں ان کو تباہ کرنے میں ان کی شہرین بھابی پیش پیش ہیں۔''

وہ اسے متوجہ دیکھ کر کہتا چلا گیا۔

''ان سب نے مل کر فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ آپ کو اور بھابی کو ساتھ نہیں رہنے دیں گے' اس کے لیے انہوں نے بہت گھناؤنی چالیں چلی تھیں اگر آپ غیر جانب داری سے سوچیں گے تو ہر بات کلیئر ہو جائے گی۔ خالہ جان آپ سے شکایت کر رہی تھیں بھابی کی کہ وہ ان کے ساتھ نہیں آئیں' ساریہ باجی کو بھی بے عزت کر کے بھیج دیا اور سچ تو یہ ہے وہ بھابی کو لینے گئی ہی نہیں، نہ ساریہ باجی کو بھیجا تھا...... بلکہ بھابی کو آپ کے جانے کی خبر ہی نہ تھی۔''

''یہ...... یہ کس طرح ممکن ہے؟'' وہ حیرانگی در حیرانگی کا شکار ہوا۔

''اسی طرح جس طرح آج آپ کی آنکھوں کے سامنے سومیہ آپی' ثوبی اور زوبی نے آپ کے لائے ہوئے گفٹس جو بھابی کے لیے تھے وہ لے لیے کیا محبت کرنے والی بہنیں اس طرح بھائی کی خوشیوں کا استحصال کرتی ہیں؟ اگر بھابی غلط ہوتیں تو کس طرح کوئی ان کی چیزیں لے سکتا تھا؟ خالہ جان نے بھی آنکھیں بند کر لیں۔'' وہ ایک کے بعد ایک نقاب جھوٹ کے چہرے سے الٹ رہا تھا۔ عمر بیٹھا ہوا مضطرب تھا۔

''میں نے آپ سے کہا کہ آپ شہرین بھابی کے بجائے آپ توقیر بھائی سے ایرج بھابی کو لانے کی اجازت لیں اور آپ نے دیکھا راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آئی ورنہ ان کی بھابی اسی طرح جھوٹ پر جھوٹ بولتی رہتیں۔''

''پلیز چپ ہو جاؤ۔'' رافع جو کہہ رہا تھا وہ جھوٹ بھی نہ تھا مگر دل اسے سچ ماننے کو راضی بھی نہ تھا عجیب کشمکش تھی۔

اذانوں کے بعد انہیں اجازت ملی تھی ایرج سے ملنے کی۔ وہ ہوش میں تھی۔ رافع طبیعت پوچھ کر روم سے چلا گیا تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑا اس کے سفید چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں شرمندگی تھی۔ ایرج ابھی بھی غنودگی میں تھی۔ بائیں بازوں میں ڈرپ لگی ہوئی تھی۔

وہ کوشش کے باوجود کچھ بول نہ پایا مجرمانہ انداز میں کھڑا رہا۔ وہ دوبارہ گہری غنودگی میں ڈوب گئی تھی۔

''بھائی میرا مطلب آپ کو ڈس ہارٹ کرنا نہیں تھا۔ صرف تصویر کے دونوں رخ دکھانے تھے تاکہ آپ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔'' رافع اندر آ گیا تھا اور اسے گم صم کھڑا دیکھ کر بولا تھا۔

''میرا دل نہیں مانتا' کیا سگی ماں کا یہ کام ہو سکتا ہے؟ بہنیں بھائی کی خوشیاں اس طرح برباد کر سکتی ہیں؟'' وہ بے حد پریشان تھا۔

''انہوں نے آپ کی ماں اور بہن بن کر نہیں صرف اور صرف تائی بن کر سوچا۔'' رافع کی بات پوری طرح اس کی سمجھ میں آئی تھی یا نہیں مگر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ گھر آ کر اس نے بتایا کہ رات کو ایرج کی طبیعت خراب ہو گئی تھی وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے۔ اسی وقت امی' چاروں بیٹیوں کو لے کر ہاسپٹل پہنچ گئیں۔ وہ بہت پریشان و فکر مند دکھائی دے رہی تھیں' عمر نے دعا کی رافع کی باتیں غلط ہوں وہ اتنی ہی مخلص ہوں جتنی نظر آتی ہیں۔

ایرج ایک ہفتے بعد ڈسچارج ہوئی تھی اور اس دوران اس کی آنکھوں سے پوری طرح پردہ ہٹ گیا تھا۔ امی ایک دفعہ چند منٹ کے لیے اس کے پاس گئی تھیں' پھر انہوں نے اور بیٹیوں نے پلٹ کر خبر نہ لی۔ اس کے سامنے زبانی جمع خرچ سے کام چلاتی رہیں۔ اس دوران رافع نے اس کا پورا ساتھ دیا تھا۔ ایرج کا بھی بہت خیال رکھا تھا۔

وہ ندامتوں کے گہرے ساگر میں اسطرح غرق ہوا تھا کہ ایرج سے نگاہ چرانے لگا تھا۔ ویسے تو بہت خیال رکھنے لگا تھا۔ ہاسپٹل سے آنے کے بعد بھی اس نے اسے بیڈ سے اترنے نہیں دیا تھا۔ وہ اس کی خاموشی کو نفرت سمجھ رہی تھی۔ دراصل عمر کے ذہن پر چھائے بدگمانی و خفگی کے سائے تحلیل ہو گئے تھے مگر اصل صورتحال سے ناواقف ایرج اس کی راہ پر چل پڑی تھی۔

''سنیں......! میں گھر جانا چاہتی ہوں...... ہمیشہ کے لیے۔'' اس دن وہ اس سے مخاطب ہوئی جو فائلز پھیلائے بیٹھا تھا۔

''ہمیشہ کے لیے؟'' اس نے آگے پڑی فائل بند کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ بھی تو تمہارا گھر ہے۔'' وہ اٹھ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''نہیں' یہ میرا گھر نہیں ہے۔'' آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں پھنس گیا۔

''آپ وہاں...... شادی کر لیں' جہاں تائی اماں چاہتی ہیں۔''

''اچھا...... پھر تم کیا کرو گی؟'' وہ بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

''میں تنہا زندگی گزار سکتی ہوں صرف مجھ سے اپنا نام نہ چھینئے گا۔''

''اوکے سوچوں گا۔'' بہت عرصے بعد اس کی آنکھوں میں چاہت کے جگنو جگمگائے تھے۔ وہ مکمل استحقاق سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا ایرج بے خبر تھی۔

''جرمنی کی ایک بڑی فرم سے میرا اپائنٹ منٹ لیٹر آیا ہے۔ انہوں نے ایک خاص پراجیکٹ کے لیے مجھے سلیکٹ کیا ہے' میری فرم کی طرف سے بھی پرزور اصرار ہے کہ مجھے ضرور جانا چاہئے اس طرح کاروباری و دوستانہ تعلقات مضبوط ہوں گے۔ کل رات کی فلائٹ ہے کیا مجھے سی آف نہیں کرو گی؟''

''آ......آپ مجھے اب بتا رہے ہیں؟'' اس سے جدائی کا تصور ہی محال تھا۔

''تم تو میری زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکلنے کا فیصلہ کر چکی ہو پھر ابھی بتاؤں یا نہ بتاؤں کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''تم بھی اپنا سامان پیک کر لینا۔''

''میں کیوں کروں؟ جا آپ رہے ہیں۔''

''تم بھی تو گھر چھوڑو گی نا' کیا کہیں گی تمہاری بھابی صاحبہ خالی ہاتھ نکال دیا۔'' اس کے وجیہہ چہرے پر دلکش مسکراہٹ تھی۔

اس کی زندگی سے نکل جانے کے اٹل فیصلے کے باوجود دل کے کسی خفیہ خانے میں یہ امید زندہ تھی کہ وہ اسے روک لے گا۔ جانے نہ دے گا' منا لے گا مگر یہ اس کی خوش فہمی تھی وہ شاید کب سے اس فیصلے کا منتظر تھا۔

وہ امی کے کمرے میں داخل ہونا ہی چاہتا تھا کہ اندر سے آئی آواز پر رک گیا سارہ یہ غصے سے کہہ رہی تھی۔

''دیکھا کیسے آفس سے آنے کے بعد اس سے چپکا رہتا ہے' کس نے مشورہ دیا تھا آپ کو کہ ان کو کھلی چھوٹ دے دیں۔ نہ معلوم کیا گھول کر پلایا ہے اس نے کہ ہاتھ کا چھالہ بنا کر رکھا ہوا ہے' یا تو اس کی طرف دیکھنا گوارا نہ تھا یا اب اسے بیڈ سے اترنے ہی نہیں دیتا۔''

''پریشان مت ہو ابھی چار دن کی محبت کا خمار چڑھنے دو۔ اس بھوت کو میں خود جوتے مار کر بھگا دوں گی۔ عمر پھر وہی ہمارے اشاروں پر چلے گا۔ تھوڑا صبر سے کام لو۔'' صاعقہ مسکرا کر بولیں۔

''امی! مجھے خطرہ لگ رہا ہے' بھائی ہاتھوں سے نکل گئے ہیں۔''

''ارے نہیں' بہت دن ہو گئے کوئی ڈرامہ نہیں کیا۔ ہماری اداکاری تو ایسی ہوتی ہے کہ مردے اٹھ کھڑے ہوں۔''

''پھر امی' دیر مت کریں' مجھے لگ رہا ہے رافع کے بچے نے کچھ گڑبڑ کی ہے۔ بڑے کان لگا کر ہماری باتیں سنتا تھا جب سے بھابی آئی ہیں وہ غائب ہے میری چھٹی حس کہہ رہی ہے گڑبڑ ہے۔'' زوبی نے کہا۔

''ملا کی دوڑ مسجد تک' عمر کی دوڑ ہم تک۔ وہ ہمیں چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہے۔'' اس کے سامنے حقیقت عیاں ہو گئی تھی کتنا مشکل ہے اپنوں کا مکروہ چہرہ دیکھنا۔ اس کے اعصاب لرزنے لگے مزید سننے کی تاب نہ تھی۔

''عمر...... بیٹا! کب آئے؟'' وہ اسے دیکھ کر حواس باختہ ہو گئی تھیں۔

''ابھی ابھی یہ بتانے کے لیے کہ کل میں جرمنی جا رہا ہوں پانچ سال کے کنٹریکٹ پر پاپا بھی وہیں ہیں۔''

''پانچ سال کے لیے؟'' وہ حواس باختہ ہو گئیں۔ ''اریج کا کیا ہو گا اور ہم کس طرح رہیں گے تمہارے بغیر؟''

''اریج...... میرے ساتھ جا رہی ہے۔'' رشتے پامال ہو جائیں' اعتبار واعتماد کا قتل معمولی نہیں ہوتا اسے ان رشتوں نے گھائل کر ڈالا تھا جن کو وہ زندگی کا حاصل سمجھتا رہا تھا مگر وہ پھر بھی بلند ظرف کا مالک تھا کوئی حرف شکایت لبوں پر لائے بغیر وہاں سے چلا آیا تھا۔

وہ کمرے میں آیا تو وہ سوں سوں کرتی سوٹ کیس لاک کر رہی تھی۔ اس کے گولڈن براؤن بال پشت پر پھیلے ہوئے تھے۔ بھیگی آنکھیں وسرخ چہرہ پتہ دے رہا تھا وہ روتی رہی ہے۔

''چہ...... چہ میکے جانے کی خوشی میں لڑکیاں ہنستی ہیں اور تم رو رہی ہو۔ کیا سسرال چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا؟'' وہ بیڈ پر دراز ہو کر بولا۔

''آپ مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔'' وہ منہ پھلا کر بولی۔

''کیوں؟ مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا؟'' اس کا موڈ فریش تھا۔ ''تم نے بتایا نہیں؟ کیوں بات نہ کروں؟'' وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گیا اریج بے ساختہ رو پڑی۔

''پلیز عمر! مت تنگ کریں۔ میں پہلے ہی بے حد ڈسٹرب ہوں بے حد۔''

''یہی تو جاننا چاہتا ہوں' کیوں ڈسٹرب ہو؟ میری جدائی کے خیال سے؟ یا یہ گھر چھوڑنے کے احساس سے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' وہ اور شدتوں سے رونے لگی۔

''ایڈیٹ جو ہو' صرف زبان چلانا جانتی ہو یا جھگڑنا' جذبوں کا اظہار' محبت کا اقرار کرنا نہیں آتا تمہیں۔'' اس نے بائیں بازو کے گھیرے میں لیتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

''جان چھوٹ جائے گی آپ کی' ہر وقت زبان درازی و جھگڑے کے طعنے دیتے رہتے ہیں جا کر کر لیجئے گا کسی گونگی' بہری سے شادی۔''

''تم ہی کرواؤ گی' تب ہی تو ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔''

''جاتے وقت تو مت دل جلائیے۔'' وہ سسکی۔

''میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہوں' وہاں جا کر ہم اپنی نئی زندگی کی ابتدا کریں گے جن میں نہ بداعتمادیوں کے کانٹے ہوں گے اور نہ بے اعتمادیوں کے گھاؤ۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''آپ...... مذاق تو نہیں کر رہے؟'' وہ بے یقین تھی۔

''نہیں' یہ پورا ہفتہ میں نے تمہارے ڈاکومینٹس ریڈی کروانے میں گزارا ہے۔ یہ آفر مجھے بہت عرصے سے ملی ہوئی تھی مگر میں اب گھر سے دور رہنا نہیں چاہتا تھا۔ رفتہ رفتہ مجھے احساس ہونے لگا میں قریب آ کر اپنوں سے دور ہو گیا ہوں۔ اس ڈیڑھ ماہ کے عرصے میں میں نے زندگی کے بہت بدصورت چہرے دیکھے ہیں۔ نفرت' حقارت اور بدلہ یہ سگے رشتوں کی علامت بن گئی ہی۔ میں انجان نہیں تھا جو میرے ساتھ ہو رہا تھا وہ میں سمجھتے ہوئے بھی اس لیے سمجھنا نہیں چاہ رہا تھا کہ اس میں میرے اپنوں کی سازشیں تھیں لیکن ظلم تو ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔ اب میں نے جان لیا ہے محبتوں کا اصل حسن قائم رکھنا ہے تو فاصلوں کو بڑھاؤ' وصال ہی محبت کو زندہ رکھتا ہے۔'' وہ سمجھ گیا تھا سابقہ روایت برقرار رکھتے ہوئے اس کی ماں بہنیں اس کے کمرے کے گیٹ اور کھڑکیوں سے چپکی کھڑی سن رہی ہیں وہ بولتا چلا گیا تھا۔

''تائی امی تنہا کیسے رہیں گی۔ انہیں بھی ساتھ لے چلیں۔'' اریج کے لہجے میں خلوص و اپنائیت تھی' عمر اس کے ساتھ ہی شکر بجالایا۔

''پاپا کل پہنچ رہے ہیں وہ امی کو جانے نہیں دیں گے۔''

''چلو تم تیار ہو جاؤ' توقیر بھائی سے مل آتے ہیں۔ وہیں سے خالہ کے ہاں بھی چلیں گے۔ رافع سے بھی ملاقات ہو جائے گی پھر نہ معلوم کب ملاقات ہو؟ ہمارے اپنوں کو ہماری یاد آئے نہ آئے لیکن یہ میرا وعدہ ہے جب بھی خلوص و محبت سے ہمیں پکارا جائے گا ہم واپس آ جائیں گے۔ فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔'' اندر سے آتی آوازوں نے باور کروا دیا تھا کہ جو کچھ وہ کرتی رہیں وہ ان سے بے خبر نہیں تھے۔

''امی! بھائی کو روک لیں' ہم بھابی کو تنگ نہیں کریں گے' وہ بہت اچھی ہیں' بس ہم ہی غصے میں انہیں تنگ کرتے رہے مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ کمرے میں آ کر خوب رو رہی تھیں کہ عمر کو بہت زیادہ چاہتی تھیں' اب اس کی جدائی کے خیال سے دل کٹ رہا تھا۔

''بالکل درست فیصلہ کیا ہے عمر نے' مجھ جیسی خود پرست وخود غرض عورت کو ایسی ہی سزا ملنی چاہئے۔ اولاد کی جدائی سے بڑھ کر ماں کے لیے کوئی سزا نہیں ہو سکتی۔ میں یہ زہر پیوں گی مگر مجھے یقین ہے' بہت جلد میرا بیٹا ہی نہیں میری بہو بھی پورے اعزاز کے ساتھ واپس یہاں آئیں گے پھر کبھی نہ جانے کے لیے' ابھی محبت کی کونپلیں پھوٹی ہیں۔''

ختم شد